مزید حماقتیں

شفیق الرحمٰن

۲۰۰۱ء

• دیباچہ

شفیق الرحمٰن

یہ دستور ہے کہ کتاب کہیں بھی لکھی گئی ہو مصنف اگر ایک مرتبہ بھی ولایت گیا ہے تو دیباچہ ضرور لندن کا لکھا ہو گا۔ ان دنوں میں لندن میں ہوں اس لئے مجبور ہوں کہ اس روایت کو قائم رکھوں۔ ویسے میں کوئی خاص بات نہیں کہنا چاہتا سوائے اس کے کہ یہ دیباچہ ہے جسے میں نے لندن میں لکھا ہے۔ (اگست ۱۹۵۳ء)

○○○

• تزک نادری عرف سیاحت نامہ ہند

رقم زدہ ... اعلیٰ حضرت جناب نادر شاہ، سابق شہنشاہ، سابق ابن شمشیر ابن شمشیر، سابق مرحوم و مغفور، سابق وغیرہ وغیرہ

○ پیش لفظ : عرف کرنا مرتب اس تزک کا ہمارا

آج تو اتفاق سے پرانی پوستین کو جھاڑا، تو متعدد اشیاء کے ساتھ ہمارے خود نوشتہ اوراق کرم خوردہ بھی زمین پر گر پڑے، جنہیں ہم نے وقتاً فوقتاً لکھا تھا۔ پڑھا تو حیران رہ گئے۔ سوچا کہ سیاحت ہند کے بعد معترضین نے ہم پر جو طرح طرح کی افترا پردازی کی ہے، کیوں نہ اس کے جواب میں یہ اوراق پیش کئے جائیں۔ اگرچہ ہم مقامی مورخین کی لگام بندی فرما چکے ہیں۔ تاہم غیر ملکی پریس نے واویلا مچا کر جو غلط فہمی پیدا کر دی ہے اس کا ازالہ بہت ضروری ہے۔ تصویر کا یہ رخ دکھا کر کیوں نہ معترضین کو ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیں اور پھر ہمیشہ لوگوں کو گلہ بھی رہا ہے کہ تاریخ عموماً غلط پیش کی جاتی ہے۔ تبھی ہمیشہ تاریخ کی غیر جانبدار اور مستند کتابوں کی کمی محسوس کی گئی ہے۔

خدا گواہ ہے کہ ہم ہندوستان محض حملے کی غرض سے ہرگز نہیں گئے۔ دراصل ہمیں اپنی دور افتادہ پھوپھی محترمہ سے ملاقات مقصود تھی، حملے کا خیال ہمیں راستے میں آیا۔

تخت طاؤس اور کوہ نور ہیرا ہم نے زبردستی ہرگز نہیں ہتھیایا۔ عزیزی محمد شاہ رنگیلے میاں نے بصد منت و سماجت ہمارے سامان میں یہ چیزیں بندھوا دیں۔ اور قتل عام؟ قتل عام کس مسخرے نے کرایا تھا؟ وہ تو ایک معمولی سا لاٹھی چارج تھا۔ یہ اور بات تھی کہ اہل ہند نحیف و نزار ہونے کی وجہ سے اس کی تاب نہ لا سکے۔ سنا ہے ہمارے متعلق

لوگوں نے طرح طرح کی کہاوتیں گھڑ لی ہیں۔ مثلاً شامت اعمال ما با صورت نادر گرفت۔ ہمارے دل کو خصوصاً اس مثل سے سخت صدمہ پہنچا ہے۔ یعنی اگر اس نادر سے مراد ہم ہیں' تو ہم یقین دلاتے ہیں کہ یہ نادر کوئی اور شخص تھا۔ اگر ہمیں علم ہوتا کہ ہماری سیاحت کے بعد اس قدر غل غپاڑہ مچے گا' تو اللہ کبھی ہند کا رخ نہ کرتے۔ اور اگر دلی میں پتا چل جاتا تو وہاں سے کبھی نہ لوٹتے۔

○ والی کابل سے ناچاقی

مدت سے ارادہ تھا کہ والی کابل کی گوشمالی کریں۔ وہ لگاتار کسی وجہ ہمارے خلاف زہر اگل رہا تھا۔ جب ہم نے خط لکھ کر اس خواہ مخواہ پروپیگنڈے کی وجہ پوچھی تو اور بھی زیادہ زہر اگلنے لگا۔ چنانچہ موسم کو مناسب پا کر حملہ آور ہوئے۔ غالباً ان لوگوں کو ہماری قوت کا غلط اندازہ تھا۔ ہم نے دریائے ہلمند کو جگہ جگہ سے کاٹ کر ان کے ہوش ٹھکانے لگا دیئے۔

دریائے ہلمند نہایت خوشنما دریا ہے۔ فرمانبردار خاں معروض ہوا کہ شاہان سلف کا رواج رہا ہے کہ حملہ کرتے وقت جو دریا راستے میں آئے تیر کر عبور کرتے ہیں اس کے کہنے پر غلطی سے ہم نے بھی چھلانگ لگا دی اور شاہان سلف میں شامل ہوتے ہوتے بال بال بچے۔ کنارے کی طرف آنے کی بہت کوشش کی۔ ہم پوستین کو چھوڑتے تھے' لیکن پوستین ہمیں نہ چھوڑتی تھی۔ بمشکل ہمیں باہر نکالا۔ بڑے پشیمان ہوئے۔ تہیہ کیا کہ جب تک تیراکی کے ماہر نہ ہو جائیں' پانی میں کبھی قدم نہ رکھیں گے۔

○ شہباز خاں کو خطاب کا عطیہ

مقامی باغ میں چند الو دکھائی دیئے یہاں کے الو ایرانی الوؤں سے بڑے اور دلیرا ہوتا ہے۔ الوؤں

کا ایک جوڑا ہمارے ساتھ ہو لیا۔ شام کو ہماری قیام گاہ کے پاس بسیرا کرتا اور رات بھر ہاؤ ہو مچاتا۔ ہم نے فرمانبردار خاں سے پوچھا کہ یہ جوڑا کیا چاہتا ہے؟ وہ بولا گستاخی کرتا ہے اور ہمیں واپس جانے کو کہتا ہے۔ ہم بے حد خفا ہوئے اور فرمانبردار خان کو پاپوش مبارک سے زدوکوب کرکے سرفراز فرمایا۔ ساتھ ہی شہباز خاں کی رائے دریافت کی۔ وہ جاں نثار معروض ہوا کہ فال نیک ہے' الو جیسا منحوس پرندہ بھی ہم سے بلند طالع شہنشاہ کی آمد پر خوش آمدید کہتا ہے۔ ہم اس جواب پر خوش ہوئے اور نمک حلالی کی قدر کرتے ہوئے اس کو الو شناس کے لقب سے نوازا اور اسکے ہم جنسوں میں اس کی عزت افزائی فرمائی۔

○ سیاحت ہند کا ارادہ

کابلی افواج کے ساتھ ہماری جنگ خاصی رہی۔ یہ ان تمام خصوصیات کی حامل تھی' جس نے نادر شاہی جنگوں کو اس قلیل عرصے میں اس قدر حیرت انگیز شہرت بخشی۔ اب ماشاء اللہ نادر شاہی حکم' نادری قہر' نادر موقعے اور نادری حکومت بچے بچے کی زبان پر ہیں۔ والی کابل اپنے کئے پر نادم تھا۔ اس نے وفاداری کا حلف اتنی مرتبہ اٹھایا کہ ہم نے تنگ آ کر منع کر دیا۔
شہباز خان الو شناس ہر روز ملک ہندوستان کی خبریں سناتا کہ کابل سے میوہ جات کثیر مقدار میں ہند بھیجے جاتے ہیں اور اس کے بدلے تجار ہینگ' بھنگ' چرس و دیگر تفریحات لاتے ہیں۔ ہم نے اس ذکر میں دلچسپی لی تو الو شناس بھی چست ہو گیا۔ اس نے ہمیں پھوپھی محترمہ کی یاد دلا دی' جو غالباً ہند میں مقیم تھیں۔ حقیقت یہ تھی کہ ہم نے اپنی پھوپھی کا محض ذکر ہی سنا تھا۔ نہ کبھی انہیں دیکھا تھا اور نہ شرف ملاقات بخشا تھا۔
گستاخ فرمانبردار خاں کا خیال تھا کہ ہماری کوئی پھوپھی تھیں ہی نہیں۔ خیر! چونکہ کابل کی مہم اندازے کے خلاف بہت جلد ختم ہو گئی' سوچا کہ بیکار وقت کیوں نہ سیاحت

ہند میں صرف کیا جائے۔
ہمیں بتایا گیا کہ حملہ آوروں کی سہولت کے لئے اہل ہند نے دو راستے صاف کروا رکھے ہیں۔
براہ افغانستان : خیبر ایجنسی، پشاور، لاہور، پانی پت، دلی۔

براہ بلوچستان : سمہ سٹہ، بٹھنڈہ، دلی
ہم نے پہلا راستہ پسند فرمایا کیونکہ بلوچستان کے راستے میں جیکب آباد پڑتا ہے جو دنیا کے گرم ترین مقاموں میں سے ہے۔

○ کابل سے کوچ

چار گھڑی گزرنے پر کابل سے کوچ کیا۔ عمائدین شہر فصیل تک بلکہ جلال آباد تک چھوڑنے آئے۔ وہ آگے جانے نہ دیتے تھے۔ والی کابل مفارقت کا سوچ کر روتا تھا اور ہمارے ہمراہ سیاحت ہند میں شریک ہونے کی اجازت طلب کرتا تھا۔ لیکن ہم جانتے تھے کہ یہ رونا پیٹنا دکھاوے کا ہے، یہ لوگ بڑے کائیاں ہیں۔ ہمارے رخصت ہوتے ہی پروپیگنڈہ دوبارہ شروع کر دیں گے۔ اور پھر ہم اہل ہند پر مہمان نوازی کا زیادہ بوجھ ڈالنا قرین مصلحت نہیں سمجھتے۔ چنانچہ اسے سمجھایا کہ جب ہم سیاحت ہند سے واپس لوٹ آئیں، تب اس کا جانا زیادہ موزوں ہو گا۔ وہ پھر بھی روتا تھا۔ اسے ازراہ غریب پروری ایک ریشمی رومال آنسو پونچھنے کے لئے مرحمت فرمایا اور بڑی مشکل سے پیچھا چھڑایا۔
اس منزل سے کوچ کرکے درہ خیبر میں پہنچے۔ نہایت پر فضا مقام ہے۔ سکندر یونانی، محمود غزنوی اور دوسرے نامی سیاح بھی اسی راستے سے گزرے تھے۔ ہم نے بھی ان کے نقش قدم پر چلنے میں بہتری سمجھی۔ اس درے میں پرند، چرند، درند، انسان بلکہ نباتات و جمادات تک نظر نہیں آتے۔ خداوند باری تعالیٰ کی کیا قدرت بیان کی جائے۔
مغل فوجدار نے پشاور سے کچھ ورے آ کر سعادت آستاں بوسی حاصل کی اور مشورہ دیا کہ ہمارا واپس چلا جانا بہتر ہو گا کیونکہ اس موسم میں سیاحت لطف نہیں دیتی۔ اس

نے دو سو مہر طلائی نذر کیں اور ایک مرصع گھوڑا بطور پیشکش گزارنا۔ ہم نے بھی ازراہ مروت ایک دنبہ عنایت کرکے ٹالا۔ پشاور سے آگے شیر ملا۔ پہلی دفعہ دیکھا تھا۔ طبیعت بڑی خوش ہوئی۔ بندگان درگاہ تو بھاگ گئے' ہم وہیں کھڑے رہے۔ ہم کو کھڑا دیکھتا رہا۔ یہ ایک گربہ کی مثال ہوتا ہے۔ نہایت نفاست پسند اور بورژوا قسم کا چوپایہ ہے۔ کچھ دیر ہمیں دیکھنے کے بعد اس درجہ مرعوب ہوا کہ بھاگ نکلا۔ اگلے روز ہمیں کسی نے بتایا کہ وہ شیر نہیں تھا کوئی اور چیز تھی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

○ سفر کا حال

دریائے سندھ عبور کرنے کا ارادہ کر رہے تھے۔ معلوم ہوا کہ سید بایزید ابن یزید یزدانی آستان بوسی کی سعادت کے متلاشی ہیں۔ جب بلایا' تو دیکھا کہ فقط ایک آدمی تھا۔ ہم نے ازراہ تلطف اسے گلے لگا لیا اور پیار سے بھینچا۔ وہ بیہوش ہو گیا۔ اسے فوراً باہر لے گئے۔ لخلخہ سنگھایا گیا۔ مالش کی گئی۔ دیر کے بعد اسے ہوش آیا تو وہ نذریں جو پیش کرنے لایا تھا' لے کر رفو چکر ہو گیا۔ ہم نے اہلکاروں کو اس کے پیچھے دوڑایا کہ اگر خود نہیں آتا تو نذریں تو بھجوا دے مگر اس کا کوئی پتہ نہ چلا۔
قلعے کا فوجدار ہماری سواری کے لئے ایک عجیب و غریب چوپایہ لایا' جسے ہاتھی کہتے ہیں' نہایت پر شوکت فیل جسم جانور ہے۔ اس کے دو دانت ہوتے ہیں' جو صرف دکھانے کے لئے ہیں۔ ناک' جس کو سونڈ کہا جاتا ہے' زمین کو چھوتی ہے۔ ہاتھی پر چڑھ کر آدمی دوسروں کے گھروں کے اندر سب کچھ دیکھ سکتا ہے۔ ہم نے سواری کا قصد کیا اور باگ ہاتھ میں لینی چاہی۔ وہ بولا اس کی لگام نہیں ہوتی۔ ڈرائیور علیحدہ بیٹھتا ہے۔ ہم نے ایسے بے لگام جانور پر سواری سے انکار کر دیا۔

○ لطیفہ

سندھ کے علاقے سے وفد آیا کہ وہاں کے عمائدین بے تاب ہیں کہ ہم ان کو سرفراز فرمائیں۔ ساتھ ہی ایک مشہور خانقاہ کی گدی کی پیشکش بھی تھی۔ ہمیں بتایا گیا کہ اس ملک میں عجیب دستور ہے۔ کوئی گھاگ چند ہتھکنڈے دکھا کر بھولے بھالے انسانوں کو رام کر لیتا ہے۔ یہ شخص پیر کہلاتا ہے اور معتقدین مرید کہلاتے ہیں۔ مرید اپنی آمدنی کا ایک حصہ پیر کو باقاعدگی کے ساتھ نذر کرتے ہیں۔ پیر کوہی خاص کام نہیں کرتا۔ سوائے اس کے کہ کبھی کبھی کاغذ کے پرزوں پر کچھ لکھ دیتا ہے' جنہیں تعویذ کہتے ہیں۔ ان تعویذوں سے بوڑھوں کے ہاں اولاد ہو سکتی ہے اور اولاد کے سرپرستوں کا انتقال بھی ہو سکتا ہے۔ یہ لطیفہ سن کر ہم بہت ہنسے کہ کسی نے کیا بے پر کی اڑائی ہے۔

لیکن جب الو شناس تین چار پیروں کو ہماری ملاقات کے لئے لایا تو ہمیں معلوم ہوا کہ لطیفہ دوسروں پر نہیں ہوا ہم پر ہوا ہے۔ پیروں کی زندگی کی طرح طرح کی دلچسپیاں اور ان گنت مشغلے۔ ہمارے منہ میں پانی بھر آیا۔ اپنی گزشتہ زندگی پر بڑا افسوس ہوا کہ ناحق خراب ہوتے پھرے۔ اگر پہلے سے پتا ہوتا تو سیدھے ہندوستان پہنچ کر پیر بن جاتے اور مزے لوٹتے۔

ایسا سنہری موقع ملنے پر ہم نے خداوند تعالٰی کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا اور وفد کے ہمراہ چلنے کا قصد ظاہر کیا۔ لیکن الو شناس نے رائے دی کہ سندھ کے سیاسی حالات ہمیشہ کچھ ایسے ویسے ہی رہتے ہیں۔ چنانچہ اس تجویز کو التوا میں رکھا۔ اگر خدا نخواستہ شہنشاہی کامیاب نہ رہی۔ تو ضرور بہ ضرور پیر بن جائیں گے اور دل کی ساری امنگیں پوری کریں گے۔ انشاء اللہ العزیز!

○ اختر شماری

کل رات اختر شماری کی۔ دو پچھلی تارے گلے ہوں گے کہ لیڈ ۲ گئی۔ باقی بشرط زندگی

کل گئیں گے۔

○ شتر غمزے

مقامی قلعہ دار کی دعوت پر اس کے ساتھ گئے اور شتر غمزے ملاحظہ فرمائے۔ کافی محظوظ ہوئے کیونکہ ایران میں یہ چیز نہیں ہوتی' اور اس ملک میں عام ہے۔

○ ایک مفید رسم

جہلم کے قریب ایک قلعہ دار نے ہم پر دھاوا بول دیا۔ لیکن فوراً ہی پھرتی سے قلعے میں محصور ہو گیا۔ ارادہ ہوا کہ اس کو اسی طرح محصور چھوڑ کر آگے بڑھ جائیں' لیکن الو شناس ملتمس ہوا کہ نیا ملک ہے۔ یہاں پھونک پھونک کر قدم رکھنا چاہیے۔ ہم نے فرمایا کہ اس طرح قدم رکھے تو دلی پہنچنے میں دیر لگے گی۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں یہ لوگ عقب سے آ کر تنگ نہ کریں۔ اس روز ہمیں نزلہ سا تھا اور قصد لڑائی بھڑائی کا ہرگز نہ تھا۔ الو شناس کے اصرار پر دو دن تک قیام کیا لیکن کچھ نہ ہوا۔ تنگ آ کر ہم نے پوچھا کہ کوئی ایسی تجویز نہیں ہو سکتی کہ یہ معاملہ یونہی رفع دفع ہوجائے۔ الو شناس گیا اور جب شام کو لوٹا تو اس کے ساتھ ایک ہندی سپاہی تھا۔ الو شناس کے کہنے پر ہم نے سپاہی کو پانچ سو طلائی مہریں دیں۔ ابھی گھنٹہ نہ گزرا ہو گا کہ قلعے کے دروازے کھل گئے۔ ہم بڑے حیران ہوئے۔
ہند میں یہ ایک نہایت مفید رسم ہے۔ جب کٹھن وقت آن پڑے یا مشکل آسان نہ ہو تو متعلقہ لوگوں کو ایک رقم یا نعم البدل پیش کیا جاتا ہے۔ تحفے کی مقدار اور پیش کرنے کے طریقے مختلف ہوتے ہیں' لیکن مقصد ایک ہے۔ اسے یہاں رشوت کہتے ہیں۔ کس

قدر زور اثر اور کارآمد نسخہ ہے۔ اگر لاکھوں کے اٹکے ہوئے کام ہزار پانچ سو سے سنور جائیں' تو اس میں ہرج ہی کیا ہے۔ رشوت دینے دلانے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس عمل سے کرنسی حرکت میں رہتی ہے۔ ہم واپس ایران پہنچ کر اس رسم کو ضرور رائج کریں گے۔

ہمیں بتایا گیا کہ کچھ مہریں سپاہی نے اپنے استعمال کے لئے خود رکھ لی تھیں۔ باقی کوتوال کو دیں' جس نے اپنا حصہ لے کر بقیہ رقم قلعہ دار کے حوالے کی۔ قلعہ دار نے سنتریوں کو خوش کرکے دروازے کھلوا دیے۔ واقعی یہ عجوبہ روزگار ہے۔

- گوجرانوالے میں قیام

شیخ بوٹا شجر پوری ایک ایرانی النسل درویش ہیں' جو بڑے فاضل' ریاضت کار' مبارک نفس اور گوشہ نشین ہیں۔ گوجرانوالہ میں ان سے مل کر معرفت اور وجدان کی باتیں ہوتی رہیں۔ فیصلہ کیا کہ سب کچھ چھوڑ کر تارک الدنیا بنا جائے۔ پھر شبہ سا ہوا کہ کہیں یہ بھی پیر نہ ہوں۔ تحقیقات کرنے پر شبہ درست نکلا۔ آپ بڑے رنگیلے پیر ہیں۔ اور پنجاب سے وادی کانگڑہ کی طرف ہجرت کر رہے ہیں' کیونکہ وہ علاقہ زیادہ رنگین ہے۔ دیر تک ان سے خفیہ باتیں ہوتی رہیں' جنہیں سینہ بہ سینہ رکھنے کا ارادہ ہے۔ یہ ملاقات کیا تھی' گویا تجدید عہد شباب تھی۔

- ہمارا سنجیدہ ہو جانا

گلستان بیکانیر سے ایلچی در دولت پر حاضر ہو کر ملتجی ہوا کہ چلئے مشتاقان دیدار راہ دیکھ رہے ہیں۔ تربوزوں کا موسم بھی ہے۔ ارادہ ہوا کہ کچھ دنوں کے لیے چلے چلیں' مگر الو شناس کو حسب معمول شبہ ہوا کہ یہ کوئی چال ہے۔ بیکانیر لق و دق صحرا ہے' جس

میں نہ پانی ہے‘ نہ روئیدگی۔ یہ لوگ ہمیں صحرا میں چھوڑ کر بھوک پیاس سے ہلاک کرنا چاہتے ہیں۔
اس پر آنکھوں میں خون اتر آیا اور ہر چیز سرخ نظر آنے لگی۔ فوراً ایلچی کو بلوا کر الٹا

لٹکوایا۔ جب بکا کہ واقعی یہ چال تھی‘ تو کھلوا کر سیدھا کیا۔ اس واقعہ نے ہمارا موڈ خراب کر دیا۔ سوچا کہ اہل ہند سے کسی اچھے سلوک کی توقع کرنا حماقت ہے۔ کیوں نہ کسی بہانے اس ملک پر حملہ کرکے ان کی گوشمالی کریں۔ چنانچہ فرمانبردار خان کو حکم دیا کہ حملے کی وجوہات سوچے۔ اس نے یہ فہرست پیش کی۔

۱۔ ہم بین الاقوامی مفاد کے لئے جنگی چالوں کی ایک کتاب ”رہنمائے حملہ آوران ہند“ لکھنا چاہتے ہیں۔
۲۔ ہندی گویے ترانوں کو ”نادر نادھیم تنا نادھیم“ سے شروع کر کے ہماری توہین کرتے ہیں۔
۳۔ تاریخ میں اس سے پہلے ایران نے ہند پر باقاعدہ حملہ نہیں کیا۔
۴۔ ہند پر حملہ ہوئے کافی عرصہ گزر چکا ہے۔
۵۔ یوں بھی ان دنوں ہند پر حملے کا رواج عام ہے۔

ایسی بے معنی وجوہات معروض ہونے پر ہمیں غصہ آیا۔ ایک بھی بات خدا لگتی نہ تھی۔ قصد ہوا کہ فرمانبردار خاں سے وہی پرانا سلوک کریں۔ دیکھا تو وہ کبھی کا غائب ہو چکا تھا۔ بعد میں ہم نے خود ان سے بہتر وجوہات سوچنے کی دیر تک کوشش کی۔ جب کامیابی نہ ہوئی‘ تو خوش ہو کر فرمانبردار خاں کو بحال فرمایا۔

○ شاہدرے میں آمد آمد

شاہدرے کے قریب ایک لڑکی نظر آئی۔ اس کی ہلکی ہلکی مونچھیں تھیں۔ چال ڈھال سب لڑکوں کی سی تھی۔ نام بھی عبداللطیف گویا مردانہ تھا۔ ہم نے پیش کاروں کو حکم دیا

کہ اس کے باپ سے مل کر تحقیق کریں۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ عبداللطیف لڑکا ہی تھا اور کسی مقامی کالج میں پڑھتا تھا۔ خدا جانے ہم کو یہ کیسے خیال آیا کہ وہ لڑکی ہے۔

لاہور پہنچ ہی تھے کہ صوبیدار لاہور کے گوریلا دستوں نے ہم پر حملہ کر دیا۔ ہمارے سپاہی جدید جنگی طریقوں سے ناواقف تھے اور صوبیدار موصوف نہ صرف ہفت ہزاری تھا بلکہ گوریلا لڑائی کا ماہر تھا۔ ہم نے بھی فوراً چڑیا گھر سے سارے گوریلے نکال کر سدھائے۔ گھمسان کا رن پڑا۔ گوریلا گوریلے پر ٹوٹ پڑا اور سپاہی تماشا دیکھتے رہے۔ دشمن نے لڑائی کا رخ بدلا۔ صوبیدار ہمیں گھیرے میں لینے کی کوشش کرنے لگا اور ہم اسے۔ دونوں فوجیں بار بار ایک دوسرے سے کنی کتراتی گزر جاتیں۔ گرمجوشی کا یہ عالم تھا کہ گھیرے میں لینے کی کوشش میں آخر کار صوبیدار فوج سمیت جہلم جا پہنچا اور ہم فیروز پور۔ غلطی کا احساس ہوا تو واپس لوٹے۔ الو شناس کے مشورے پر صوبیدار پر ہند کا مروجہ نسخہ رشوت آزمایا اور شکست فاش دی۔ شکست دینے کے بعد ہم نے اس سے ہفت ہزار بصد وقت وصول کیا۔ شام کو الو شناس کچھ اور منصب داروں کو لایا' جو بالترتیب پنج ہزاری' سہ ہزاری اور دو ہزاری تھے۔ انہیں کوئی روز گرفتار رکھا' تب کہیں دس ہزار روپیہ وصول ہوا۔ دیکھتے دیکھتے عہدیداروں کی قیمتیں گرنے لگیں۔ لوگ پنج صدی' پونے دو صدی' ایک سینکڑی اور پچاسوی تک پہنچ گئے۔ یہ لوگ بڑے لالچی ہیں۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ کوئی ہزاری بہت چلایا کہ وہ ہزارہ کا رہنے والا ہے لیکن ہم نے اپنا اصول ترک نہیں کیا۔

○ لاہور سے روانگی

چاہیے تو یہ تھا کہ ان علاقوں میں چند روز رہ کر داد عیش و کامرانی دیتے' مگر یہاں

کی پرانی رسم ہے کہ وہ سیاح جو درہ خیبر سے آتے ہیں' انہیں سیدھے دلی جانا پڑتا ہے۔ راستے میں کہیں نہیں ٹھہر سکتے۔

جہلم' چناب اور راوی عبور کر چکے تھے۔ ستلج کو عبور کیا اور پنجاب کے پانچوں دریا کو بہت ڈھونڈا۔ خبر ملی کہ بیاس تو پہلے ہی ستلج سے مل چکا ہے۔ سخت مایوسی ہوئی۔ مصاحبین نے دست بستہ عرض کی کہ اہل ہند کا دستور ہے کہ حملہ آوروں سے اس علاقے میں ضرور لڑتے ہیں۔ اس کے لئے پانی پت' تراوڑی وغیرہ کے میدان مخصوص ہو چکے ہیں۔ ہم نے فرمایا کہ لڑیں تو تب اگر مقابلے میں کوئی فوج آئی ہو۔ معلوم ہوا کہ حملہ آوروں کو انتظار کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ اگر اہل ہند اس علاقے میں نہ لڑیں' تو پھر کہیں نہیں لڑتے۔

محمد شاہ کو ہماری تشریف آوری کا علم ہو چکا تھا۔ ایک مرتبہ تو اس نے ایلچی کو خط اور لفافے سمیت شراب کے مٹکے میں دھکیل دیا اور بولا "ایں ایلچی بے معنی غرق مے ناب اولیٰ۔" کسی طبلچی نے حافظ کا یہ مصرعہ صحیح کرنا چاہا تو محمد شاہ نے اسے بھی مٹکے میں دھکیل دیا۔ آدمی با مذاق معلوم ہوتا ہے۔

- ہمیں تحفہ دینے کا نتیجہ

دلی سے ایک درباری قدم بوسی کے لئے حاضر ہوا۔ تحفے تحائف سے لدا ہوا تھا۔ اس لئے ہم نے بلا لیا۔ بولا "شہنشاہ! سنا ہے کہ آپ تبدیلی آب و ہوا کی غرض سے اس طرف تشریف لائے ہیں۔ جہاں تک آب و ہوا کا تعلق ہے' اس ملک کو یہاں ختم سمجھئے۔ اس سے آگے سخت گرمی پڑتی ہے۔ رعایا کی التجا ہے کہ آپ دو کروڑ کی حقیر رقم بطور سفر خرچ قبول فرما کر یہاں سے مراجعت فرما جائیں۔" ہمیں رضا مند پا کر وہ نابکار بغلیں بجانے لگا۔ ڈانٹا تو معلوم ہوا کہ یہاں کا رواج ہے۔ ایک تو یہاں کے

رسم و رواج نے ہمیں عاجز کر دیا ہے۔ واپسی کے لئے سامان بندھوا رہے تھے کہ الو شناس نے شبہ کرا دیا کہ اہل ہند ہم پر اپنا محبوب نسخہ استعمال کر رہے ہیں۔ یہ رقم

ہمیں تحفتاً پیش کی جا رہی ہے۔ شام کو وہی درباری بغلیں جھانکتا ہوا پھر حاضر

ہوا اور دلی چلنے کی ترغیب دینے لگا۔ عجب ڈھل مل یقین لوگ ہیں۔ الو شناس نے اصل وجہ بتائی' جب درباری مذکور دلی دربار میں پہنچ کر انعام کا خواہاں ہوا تو کسی نے پوچھا تک نہیں' بلکہ خان بہادر کا خطاب کسی حریف کو مل گیا۔ اس نے جل بھن کر دھمکی دی کہ ٹھہرو' ابھی لاتا ہوں' نادر شاہ کو۔

ہم نے سوچا کہ اب اتنی دور آ گئے ہیں' تو دلی دیکھ کر ہی جائیں گے۔ کرنال کے مقام پر محمد شاہی فوج دکھائی دی' جو ہمیں دیکھتے ہی ادھر ادھر ہو گئی۔ ہم نے کہلوا کر بھیجا کہ ہماری خواہش ہے کہ اس جنگ کو تاریخ میں پانی پت کی تیسری لڑائی یا کرنال کی پہلی لڑائی کا رتبہ ملے۔ اس پیغام پر باقیماندہ فوج بھی بھاگ نکلی۔

- قطب صاحب کی لاٹھ

نزول اقبال دلی کے باہر ہوا۔ قطب صاحب کی لاٹھ کے پاس نادر شاہی جھنڈے گاڑے گئے۔ یہ لاٹھ قطب صاحب کی تعمیر کردہ ہے لیکن اس کا مقصد سمجھ میں نہیں آیا۔

پتا نہیں قطب صاحب کا ارادہ کیا تھا۔ فرمانبردار خاں نے عرض کیا کہ غالباً قطب صاحب آسمان تک پہنچنا چاہتے تھے۔ لیکن تجویز کو تکمیل تک نہ پہنچا سکے۔ بصد وقت ہم اوپر تشریف لے گئے۔ واقعی بہت اونچا مینار ہے۔ آسمان یہاں سے کافی قریب ہے۔ ستانے کے بعد نیچے تشریف لائے۔

- حملہ آوری اور برادرم محمد شاہ کی ہماری ذات سے عقیدت

صبح سے محمد شاہ اپنا لشکر لے کر سامنے آیا ہوا تھا' مگر ابھی تک سعادت زیارت سے مشرف نہ ہوا تھا۔ دوپہر کو ایک ایلچی رنگین جھنڈا لہراتا ہوا آیا اور معروض ہوا کہ

"محمد شاہ صاحب نے دریافت کیا ہے کہ حملہ کرنے کا کس وقت ارادہ ہے؟" ہم نے پوچھا "ابے حملہ کیسا؟" ایلچی نے عرض کیا۔ "خداوند نعمت وہ تو عرصے سے آپ کے حملے کے منتظر ہیں۔ اتنے دنوں سے تیاریاں ہوتی رہی ہیں۔ اگر حملہ نہ ہوا تو سب کو سخت مایوسی ہو گی۔ کل بارش کی وجہ سے لشکر اکٹھا نہ ہو سکا۔ اور پھر یہ رسم چلی آتی ہے کہ درہ خیبر والے......"

"بس بس! آگے ہمیں پتا ہے۔" ہم نے اسے ڈانٹا۔

مجبوراً ہم نے حملے کا حکم دے دیا۔ لیکن لڑائی کا لطف نہ آیا۔ وہ لوگ فوراً تتر بتر ہو گئے۔ ہم شہر کے بڑے دروازے میں داخل ہوئے تو عزیزی محمد شاہ نے پھولوں کا ہار پہنایا۔ گھوڑے سے اتر کر بغل گیر ہوئے۔ اس کے بعد دو دن تک محمد شاہ کا کوئی پتا نہ چلا۔

دلی میں نازل ہو کر ہم نے اور بندگان درگاہ نے خواب داد عیش کی کہ شیوہ سیاحاں ہے۔ حمام گئے۔ الحمدللہ کہ آج پورے سال کے بعد غسل فرمایا۔ صبح سے شام تک تخت طاؤس پر بیٹھ کر شغل خورد و نوش و خوش فعلیوں اور خوش گپیوں سے اپنے دل کے بوجھ کو ہلکا کرتے اور رعایا کو اپنے دیدار سے فیض یاب کرتے۔ ہمارا ذاتی خیال ہے کہ ہمارے جیسا صاف باطن اور نیک دل بادشاہ تاریخ میں کوئی نہ ہوا ہو گا۔ سکندر نے پورس سے جو سلوک کیا' اس سے کہیں بہتر سلوک ہم نے عزیزی محمد شاہ سے کیا۔ ہر چند کہ اس کی رنگین مزاجی ہمیں نہ بھاتی تھی' اس کو مانند اپنے عزیز کے سمجھا۔ حق تو یہ ہے کہ اس نے ہماری اتنی خدمت کی کہ کیا کوئی اپنے بزرگ کی کرتا ہو گا۔

ہمیں شاہی مہمان خانے کے بہترین حصے میں ٹھہرایا گیا جو مہمانوں کے لئے مخصوص تھا۔

عزیزی محمد شاہ نے شام کو ہمارے لئے مسواکیں' لباس شب خوابی اور سلیپر وغیرہ بھیجے۔ چادریں اور غلاف بدلوائے۔ یہ اور بات تھی کہ ہم راستہ بھول گئے اور نہ جانے کہاں

پوستین سمیت سیڑھیوں پر سو گئے۔ لال قلعہ سے باہر سے تو سیدھا سادا سا قلعہ معلوم ہوتا تھا۔ لیکن اندر نفیس و نازک عمارتوں اور خوشنما باغوں کی بھول بھلیوں میں ہمیں گائیڈ کی ضرورت محسوس ہوا کرتی۔ ہماری آمد کی خبر پا کر (غالباً ہمیں متاثر کرنے کی غرض سے) حکومت ہند نے امتناع شراب کے احکامات جاری کر دیئے تھے) لیکن عزیز کی وساطت سے ہمارے سپاہیوں کے لئے پینے پلانے کا انتظام ہو ہی جاتا ہے۔

○ تخت طاؤس

ایک دفعہ جب ہم متواتر دس گھنٹے تخت طاؤس پر بیٹھے رہے' تو عزیزی بولا "معلوم ہوتا ہے کہ تخت طاؤس سے آپ کو بے حد انس ہو گیا ہے۔ اگر آپ کا اس درجہ طویل قیام تخت طاؤس کی وجہ سے ہے تو چشم ما روشن دل ماشاد۔ آپ اسے بخوشی لے جا سکتے ہیں۔"

ایسے خلوص و محبت سے کس کا دل نہ پسیج جاتا۔ ہم نے اسے یقین دلایا کہ ہم جب یہاں سے عام ایران ہوئے' تخت طاؤس ہمراہ لے جائیں گے۔ ہم انکار کرکے اس کا دل نہیں دکھانا چاہتے تھے۔

کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے پوچھا۔ "دلی کو اپنی ذات بے مثال سے محروم کرنے کی تاریخ سے مطلع فرما دیا جائے تا کہ اہل دلی کو بتا دیا جائے' وہ اس کے لئے گھڑیاں گن رہے ہیں۔"

"گھڑیاں کیوں بن رہے؟ کیا وہ ہم جیسے مشفق بزرگ کو بن بلایا مہمان سمجھتے ہیں؟"

ہم نے غیض و غضب میں فرمایا۔

"جی نہیں! آپ نے غلط سمجھا۔ وہ الوداعی پارٹیوں کا انتظام کرنا چاہتے ہیں۔" وہ بولا۔

"ہمیں ان گلیوں کو چھوڑنے کی کوئی ایسی جلدی نہیں' جن کے متعلق کوئی استاد ذوق شعر کہیں گے۔" ہم نے فرمایا۔

"یوں ٹھہرنے کو آپ چھ ماہ' سال' دس سال ٹھہریئے۔ بلکہ ایران کا دارالخلافہ دلی کو بنوا لیجئے۔" عزیزی بڑی محبت سے ملتمس ہوا۔

"دیکھا جائے گا۔" ہم نے محبت سے فرمایا۔

○ وہ گلقند والا قصہ

بات کچھ بھی نہ تھی۔ مغلئی دستر خوان کی مرچیں ہمیں تیز معلوم ہوئیں تو حلوے کے مرتبان کی طرف متوجہ ہوئے۔ بمشکل کوئی پاؤ بھر حلوہ کھا سکے ہوں گے کہ فرمانبردار خاں نے بڑی بدتمیزی سے مرتبان ہمارے ہاتھ سے چھین لیا۔ اس معمولی سے واقعہ پر لوگوں نے اتنا لمبا چوڑا افسانہ تراش لیا۔ ہمیں ہرگز علم نہ تھا کہ مرتبان میں حلوے کی جگہ گلقند ہے اور اگر علم ہوتا بھی تو کیا فرق پڑ جاتا۔

○ ہنوز دلی دور است

اس فقرے کو ہم نے اہل دلی کا تکیہ کلام پایا۔ جب ہم خیبر میں تھے تو سنا تھا کہ ہمارے لئے ہنوز دلی دور تھی۔ جب لاہور پہنچے تب بھی دور رہی۔ لال قلعے میں پہنچ کر بھی لوگوں کا یہی خیال تھا کہ ہنوز دلی دور است۔ اچھا بھئی چلو دلی دور است۔ بس!

○ محمد شاہ کا دربار

مسز محمد شاہ لال قلعے میں اس دھوم دھڑلے سے رہتی تھیں کہ کانوں پڑی آواز سنائی نہیں

دیتی۔ سیاسی دنگے فساد میں ہمیشہ ان کا ہاتھ ہوتا ہے۔ ملک کی خارجی اور اندرونی پالیسی (جب کبھی اتفاق سے ہوتی ہے) وہ خود ترتیب دیتی ہیں۔ یہاں تک کہ اعلیٰ حکام کی

پوسٹنگ وغیرہ بھی وہ خود ہی کرتی ہیں۔ وہ فارسی، سنسکرت اور مدراسی بول سکتی ہیں۔ لیکن دیگر بیگمات کا خیال ہے کہ وہ سمجھ ایک زبان بھی نہیں سکتیں۔ (ویسے دیگر بیگمات کا ہمیشہ کچھ اور ہی خیال ہوا کرتا ہے) درباری بیگمات بیحد ذہین ہیں۔ ایک برجیس جہاں بیگم نے برجیس کو دیکھ کر چوڑی دار پاجامہ ایجاد کیا۔ دوسری نے ساڑی کو شلوار سے ضرب دے کر دو پر تقسیم کر دیا اور غرارہ دریافت کیا۔ تعجب ہے کہ یہ خیال اسے علی الصبح غرارے کرتے وقت آیا۔

صبح شام شہر کی چیدہ چیدہ خواتین حاضر ہو کر آداب بجا لاتی ہیں اور شہر کی دوسری چیدہ چیدہ خواتین کے بارے میں تازہ ترین افواہیں سناتی ہیں۔

عزیزی محمد شاہ بھی لال قلعے ہی میں وہیں کہیں رہتا ہے۔

اس کا خیال ہے کہ وہ ہندوستان کا بادشاہ ہے لہٰذا اپنے تئیں شہنشاہ ہند کہلاتا ہے۔ رنگین خواب دیکھتا ہے، رنگین لباس پہنتا ہے، رجعت پسند ادب اور تنزل پسند شاعری کا گرویدہ ہے لیکن حرکتیں سب ترقی پسند کرتا ہے۔

کل وزیر جنگ نے بتایا کہ ملک کے کچھ اور حصوں نے خود مختاری کا اعلان کر دیا ہے۔ عزیزی محمد شاہ خوش ہو کر کہنے لگا۔ "اب ملک کا بیشتر حصہ خود مختار ہو چکا ہے۔ جتنے صوبے اور ریاستیں خود مختار ہوں گی، اتنا ہی ہمارا کام کم ہو جائے گا۔ ملک کے ریاستوں میں بٹتے ہی ان کی ریاست ہائے متحدہ بنانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔"

عزیزی کے تعلقات مرہٹوں کے ساتھ ضرورت سے زیادہ خوشگوار ہیں۔ جب مرہٹے بیکار ہوتے تو سیدھے دلی آ دھمکتے تھے۔ پچھلے ماہ آئے تھے تو نربدا، چنبل اور مالوہ کے علاقے لے کر ٹلے۔ خیر! ہمیں کیا عزیزی جانے اور اس کا کام۔

ہندی فوج کو دیکھ کر ہمیں بڑی حیرت ہوئی۔ لڑنے جاتے ہیں تو پالکیوں میں بیٹھ کر۔

میدان جنگ میں ڈھال ملازم اٹھاتا ہے۔ ہر وقت صلح کے خواہاں ہیں۔ ہر سپاہی کی وردی مختلف ہے۔ کرنال میں ہم سے لڑنے آئے تو جیسے عید کے کپڑے پہن رکھے تھے۔ ہمیں زیادہ نکتہ چینی نہیں کرنی چاہیے۔ انسان کا خاک کا پتلا ہے۔

○ مینا بازار اور ہم

محمد شاہ کے بزرگوں کے وقت سے رسم چلی آتی ہے کہ موسم بہار میں لال قلعے میں مینا بازار لگتا ہے جس میں طرح طرح کی دکانیں سجائی جاتی ہیں۔ دکانوں سے زیادہ بیگمات سجتی ہیں اور مختلف اشیاء بازار سے چوگنے نرخ پر خریدتی ہیں۔ ان دنوں تو ذرا سے بہانے پر مینا بازار لگ جاتا ہے۔ ہماری طبیعت حاضر تھی۔ محمد شاہ سے مینا بازار دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ اس نے ٹالنا چاہا۔ ہم نے اسے بتایا کہ ہم بزرگ بھی ہیں۔ وہ بولا کہ اگر آپ کو اتنا ہی شوق ہے' تو چند روز سمند شوق کو لگام دیجئے۔ اس مینا بازار کے ختم ہوتے ہی ایک مردانہ مینا بازار کا انتظام کرائے دیتا ہوں' جس میں سب مرد ہی مرد ہوں گے۔ پوچھا کہ ہم زنانہ شو میں کیوں نہیں جا سکتے؟ کہنے لگا کہ اس میں سوائے بادشاہ ہند کے کسی کا گزر نہیں ہو سکتا۔ ہم نے فرمایا کہ کچھ دیر کے لئے ہمیں بادشاہ ہند ہی سمجھا جائے۔ آدمی عقلمند تھا' مان گیا۔ ہمارا فرزند علی قلی خان' جو بائیس سال کا ہونے کے باوجود اپنے آپ کو نابالغ سمجھتا ہے اور اپنے ہم جنسوں کی صحبت کی بجائے عورتوں میں اٹھنے بیٹھنے کو ترجیح دیتا ہے' ہمارے ساتھ مینا بازار جانے پر مصر ہوا۔ دیکھا کہ ہر طرف نازنینان گلبدن رنگ برنگے ملبوس پہنے چہلیں کر رہی ہیں۔ نہ نگاہیں نیچی ہیں نہ دوپٹے کا خیال ہے۔ دیکھ کر آنکھوں میں خون اتر آیا (آج صبح بھی ایک مرتبہ خون اترا تھا) ہمارے بارے میں سب کو علم ہو چکا تھا۔ ہمیں گھیر لیا گیا' ہمارے آٹو گراف لیے گئے۔ ساتھ ساتھ مناسب اشعار لکھنے کو کہا گیا۔ ہم سے طرح طرح کے پریشان کن سوالات پوچھے گئے۔

ارادہ ہوا کہ کچھ زنانہ سامان آرائش ایران لے جانے کے لئے خریدیں' پھر سوچا ہمارے واپس پہنچتے پہنچتے فیشن نہ بدل جائے۔

ایک ماہ رو نظر پڑی کہ کچھ سامان لیے جاتی ہے۔ ایک دکان کے سامنے اس نے آواز دی۔ قلی! قلی! کیا دیکھتے ہیں کہ پسر ناخلف علی قلی خدا جانے کہاں سے بھاگتا ہوا آیا اور اس کا سامان اٹھا لیا۔

"تم قلی ہو؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں' بالکل۔" علی قلی نے جواب دیا۔

اگرچہ ہم علی قلی کے اس قسم کے قلی بن جانے پر خفا تھے' مگر اس کی حس مزاح پر حیرت ہوئی' کیونکہ ہمارا خاندان اس حس سے بے بہرہ ہے۔ ہم میں خود مذاق برداشت کرنے کی تاب نہیں۔ کچھ دیر بعد جب غلطی کا ازالہ ہوا' تو نازنین بے حد محظوظ ہوئی اور بڑی معصومیت سے پوچھنے لگی۔ "آج شام کو آپ کیا کر رہے ہیں؟"

"کوئی خاص کام نہیں۔" علی قلی نے جواب دیا۔

"مست قلندر صاحب کے عرس پر ایک سرکس آیا ہوا ہے۔" وہ بڑی معصومیت سے بولی۔

"میں پہلے شو کے لئے دو نشستیں بک کرا لوں گا اور باہر ٹکٹ گھر کے پاس انتظار کروں گا۔ خدا حافظ میرے ابا مجھے گھور رہے ہیں۔" علی قلی بھاگا۔

شام کو ہم اس کے کمرے میں گئے تو دیکھا کہ آئینے کے سامنے کھڑا مونچھیں تراش رہا ہے۔ باز پرس کی تو بولا عرس پر جا رہا ہوں۔ ہم نے پوچھا ٹکٹ کی قیمت کون دے گا؟ اس کے منہ سے نکل گیا کہ انکل محمد شاہ نے دو سیٹیں بک کرا دی ہیں۔ پوچھا' دوسری کس کے لئے ہے؟ تو چپ ہو گیا۔

"نامعقول! ایسے ہجوم میں جا کر خواہ مخواہ سکینڈل کرائے گا۔" ہم نے گرج کر کہا۔ "کچھ ہماری پوزیشن ہی کا خیال کر۔"

"ابا جان میں وعدہ کر چکا ہوں۔" اس نے ایسے عدم تشددانہ انداز سے کہا کہ ہم لوٹ آئے۔

○ ہندی کلچر

ہندی کلچر کی بے حد تعریفیں سنی تھیں۔ چنانچہ دیکھنے کا شوق تھا (حملے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی تھی۔ فرمانبردار خان کو وقت پر سوجھتی تھی)

عزیزی محمد شاہ نے ذکر کیا۔ وہ بولا کلچر وغیرہ کا تو پتا نہیں۔ آپ نے اگیری کلچر سنا ہو گا۔ وہ البتہ مشہور ہے۔ ہم مصر ہوئے تو کہنے لگا آپ سنی سنائی باتوں کا یقین نہ کیجئے۔ ویسے ہمارے ہاں چند ایک باتیں واقعی شہرہ آفاق ہیں۔ ایک تو یہی قدیمی دوا خانے' جن کے اشتہار آپ چپے چپے پر دیکھتے ہیں۔ دوسرے قدیم روایات جن کے لئے بھیس بدل کر شہر میں چلنا ہو گا۔ چنانچہ ہم دونوں گئے۔ ایک جگہ ایک شخص (جو کہ مدرس تھا) بھینسوں کے آگے بین بجا رہا تھا اور بھینسیں متوجہ نہیں تھیں۔ ایک سیاسی جلسے میں بہت سے حضرات اپنے اپنے سامنے ڈیڑھ ڈیڑھ اینٹ رکھے عبادت میں مشغول تھے۔ وہیں ایک شخص باغیرت معلوم ہوتا تھا' چلو میں پانی لئے ناک ڈبونے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایک جگہ دو حکام شہر ایک پرندے کو کھینچ کر سیدھا کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ پرندہ الو تھا۔ ایک نہایت ضعیف بزرگ قبر کے کنارے پاؤں لٹکائے نوجوانوں پر تنقید کر رہے تھے۔ محمد شاہ کے متعلق تو ہم کہہ نہیں سکتے البتہ ہم از حد محظوظ ہوئے۔

○ علی قلی کی گستاخی اور ہمارا تحمل

آہستہ آہستہ برخوردار علی قلی اور اس لڑکی کا قصہ مشہور ہوتا جا رہا تھا۔ سوچا کہ اس معاملے کو فوراً ختم کیا جائے۔ چنانچہ اس کے کمرے میں گئے' وہ آئینے کے سامنے کھڑا بال گھنگھریالے بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ہمیں دیکھ کر بولا "ابا جان! معاف فرمایئے' دروازہ کھٹکھٹائے بغیر اندر آنا موجودہ آداب کے خلاف ہے۔"

ہمیں سخت غصہ آیا۔ یہ نئی پود ہمیں آداب سکھائے گی۔ یہ لڑک دن بہ دن بگڑتا جا رہا ہے۔

"ہم تجھے جگالی کرتے دیکھ رہے ہیں۔ جب سے دلی آیا ہے منہ چلتا رہتا ہے۔ کیا ہے تیرے منہ میں؟"

"پان کھا رہا ہوں۔ کسی نے دیا تھا۔" وہ بولا

"یہ کسی کون ہے؟ وہی عرس والی لڑکی تو نہیں۔ وہ تو بے حد معمولی سی ہے۔" ہم نے فرمایا۔

"ابا جان! اس کی ٹھوڑی پر جو وہ خوشنما تل ہے' وہ نہایت بھلا معلوم ہوتا ہے۔"

"مصیبت تو یہ ہے کہ آج کل کے نوجوان ایک خوشنما تل پر عاشق ہو کر سالم لڑکی سے شادی کر بیٹھتے ہیں۔"

"ابا جان محبت بہت بری چیز ہے۔" وہ سرد آہ کھینچ کر بولا۔

"تو سپاہی ہے' تجھے تلوار اور گھوڑے سے محبت ہونی چاہیے۔ ہم خود گھوڑوں کو چاہتے ہیں۔ گھوڑے جب پیار کریں تو ساڑھیوں اور زیورات کی فرمائش نہیں کرتے۔"

"ابا جان بات دراصل یہ ہے کہ مجھے اس سے......"

"خبردار! گستاخی کرتا ہے۔ جانتا نہیں کہ تو نادر شاہ ابن شمشیر ابن شمشیر کی اولاد ناخلف ہے!"

"آپ کا مطلب ہے کہ دادا جان کا نام شمشیر تھا' شمشیر شاہ؟"

"ابے گستاخ! شمشیر سے مراد تلوار ہے' سمجھا؟"

"سمجھ گیا۔ ابا جان کیا آپ مجھے چار روپے آٹھ آنے دے سکیں گے' سرکس کے لئے؟"

ایسے نالائق کو ہم اور کیا کہہ سکتے تھے۔

○ ہمارا اصلاحات رائج کرنا

مصاحب حضوری حقہ بردرا خاں معروض ہوا کہ شہنشاہوں کا رواج رہا ہے کہ رعایا کہ بہبود کے لئے حسب توفیق اصلاحات نافذ کرتے ہیں۔ کیا ہی اچھا ہو کہ ہم بھی چند مفید

اصلاحات عمل میں لائیں تا کہ اہل ہند ہمیں رہتی دنیا تک یاد کیا کریں۔ ہم حیران ہوئے' کیونکہ ہمارے خیال میں ہماری ہر حرکت میں اہل ہند کے لیے کوئی نہ کوئی اصلاح پوشیدہ تھی۔ جب دیکھا کہ وہ پیچھا ہی نہیں چھوڑتا' تو کافی غور و خوض کے بعد مندرجہ ذیل فہرست مرتب فرمائی۔

۱۔ درہ خیبر کو ڈھا کر ہموار کرایا جائے۔ وہاں سے دلی تک دس دس میل کے فاصلے پر عالیشان سرائیں تعمیر کرائی جائیں' تا کہ حملہ آوروں کو کسی وقت کا سامنا نہ ہو۔ سڑک پر جگہ جگہ "خوش آمدید" نصب کیا جائے۔ ساتھ ہی ایک محکمہ کھولا جایے جو دوسرے ملکوں میں نشر و اشاعت کے ذریعے لوگوں کو ہند میں آنے کی ترغیب دے۔

۲۔ ستلج اور جمنا کے درمیان ایک وسیع علاقہ خشک اور غیر آباد پڑا ہے۔ اس قطعے کو سیراب کرنے کے لئے ایک عظیم الشان دریا کھدوایا جائے۔

۳۔ ہند کے تاریخی مقامات ملک بھر میں بکھرے ہوئے ہیں۔ سیاحوں کو بڑی قباحت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ تاج محل آگرہ میں ہے' غار ہائے الورا' الورا میں تو جہانگیر کا مقبرہ لاہور میں۔ ان ساری تاریخی عمارات کو منہدم کرا کے دلی میں (مرکزی مقام ہے) دوبارہ تعمیر کرایا جائے' تا کہ سب کچھ بیک وقت دیکھا جا سکے۔

۴۔ ہر سال درخت اکھاڑنے کا ہفتہ بڑے زور و شور سے منایا جائے۔

۵۔ قطب صاحب کی لاٹھ کا نام تبدیل کرکے اگلے حملہ آور کے آنے تک نادر شاہ کی لاٹھ رکھا جائے' تا کہ لوگوں کو حملہ آوروں کے نام باآسانی یاد رہ سکیں اور تاریخ ہند مرتب کرنے میں آسانی ہو۔

وہ اصلاحات گنانے بیٹھیں جو ہم نے اس مختصر سے قیام میں نافذ کرائیں تو بیشمار ہیں۔ ہمیں یاد بھی نہیں رہیں۔ مثلاً بارہ دری کی جگہ تیرہ دری بھی تعمیر کرائی جائیں۔ جنگل میں منگل ہی نہیں بدھ بھی منایا جائے وغیرہ وغیرہ۔

○ محبت اور شادی کے متعلق ہمارے خیالات

ہمارے خیال میں اگر محبت کو شادی سے اور شادی کو محبت سے دور رکھا جائے تو دونوں نہایت مفید چیزیں ہیں۔ لیکن نوجوان بڑی جلد بازی سے کام لیتے ہیں۔ دوسروں کے تجربے سے مستفیض نہیں ہوتے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خواہ مخواہ شادی مول لے بیٹھتے ہیں۔

اکثر مشاہدے میں آیا ہے کہ جو لوگ شادی سے پہلے پچھتاتے تھے' وہ شادی کے بعد بھی خوب پچھتاتے ہیں۔ ہم کبھی نہیں پچھتائے' حالانکہ ہم کسی زمانے میں بڑے بانکے البیلے نوجوان مشہور تھے۔

جب ہمیں معلوم ہوا کہ برخوردار علی قلی شادی پر تلا بیٹھا ہے تو ارادہ ہوا کہ اسے من مانی کرنے دیں۔ کیا یاد کرے گا۔ لیکن انہی دنوں ہم ایک ایسی حرکت کے مرتکب ہوئے' جو ہم جیسے بزرگ کی شان کے شایاں ہرگز نہ تھی۔ ویسے ہم چھپ کر کسی کی باتیں سننے کے عادی نہیں ہیں۔ اس روز نہ جانے کیونکر ہم نے یہ برداشت کیا اور اوٹ سے ان دونوں کی گفتگو سنی۔

لڑکی نے برخوردار علی قلی کی آمدنی کے متعلق پوچھا۔ علی قلی نے ہمارا حوالہ دیا کہ والد بزرگوار شہنشاہ ہیں۔ وہ بولی "شہزادوں کی تو خدا کے فضل سے یہاں بھی کوئی کمی نہیں۔ ہر تیسرا نوجوان شہزادہ ہے بلکہ غیر شہزادہ ہونا زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔"

"ہمارے ملک میں تیل کے چشمے۔" علی قلی کا یہ کہنا تھا کہ لڑکی کی باچھیں کھل گئیں۔

"تمہارے کنبے کے متعلق امی پوچھ رہی تھیں۔ تم مغل ہو؟"

"مغل وغیرہ کا تو پتہ نہیں' ویسے ہم ابن شمشیر ابن شمشیر ہوتے ہیں۔" علی قلی نے جواب دیا۔

"بہرحال ہمارے کنبے والے ایران سے تمہارے چال چلن کی تصدیق کرائیں گے۔"

"چال تو میں ابھی چل کر دکھا دیتا ہوں۔" علی قلی نے بھولپن سے کہا۔ "رہ گیا چلن۔

شادی کے بعد ایران چلو گی تو وہ وہاں دیکھ لینا۔"
"ایران جانا تو ذرا مشکل ہے کیونکہ امی جان مجھے بے حد چاہتی ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ شہزادہ علی قلی ہر سال ایک ماہ کی چھٹی لے کر آ جایا کرے گا یا یوں ہو کہ ابا جان شہنشاہ محمد شاہ سے مل کر تمہیں کوئی ریاست الاٹ کرا دیں۔"
"تجویز تو یہ بھی اچھی ہے۔" وہ ناخلف بولا "لیکن اگر میں ایران چلا گیا' تو تم وہاں اداس رہا کرو گی۔"
"تم اس کی فکر نہ کرو' ہمارے ہاں کافی شہزادوں کا آنا جانا ہے۔"
علی قلی بگڑنے لگا "تم پرسوں شام کس شہزادے کے ساتھ ہمایوں کے مقبرے کی طرف گئی تھیں؟"
"وہ تو بھائی جان کے دوست ہیں۔ ان کی پالکی بالکل نئے ماڈل کی ہے۔ تمہارے ساتھ پیدل چلنا پڑتا ہے اور شام کا لباس خراب ہو جاتا ہے۔"
ہم بقیہ گفتگو سنے بغیر تشریف لے آئے۔

○ علی قلی کا علاج

ہمیں یقین ہو چکا تھا کہ یہ لڑکی بہت زیادہ ماڈرن خیالات کی ہے۔ بیچارے علی قلی کو وہ تگنی کا ناچ نچائے گی کہ نرا زن مرید بن کر رہ جائے گا۔ ہم نے برخوردار خاں فیلسوف سے ذکر کیا۔ اس نے بڑے پتے کی بات کہی۔ یہی کہ وہ دونوں مخلص فلرٹ کر رہے ہیں۔ سنجیدہ کوئی بھی نہیں ہے۔ علی قلی لڑکی سے ہمیشہ شام کو ملتا ہے اور شام کو اس کے سانس میں مئے رنگین کی بو ہوتی ہے۔ جسے وہ الائچی یا پان سے چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔ ایک روز اس کی پوستین سے پوست کی کافی مقدار برآمد ہوئی۔

ہمارا تجربہ ہے کہ غروب آفتاب کے بعد قندیلوں کی جھلملاتی روشنی میں سب لڑکیاں حسین

معلوم ہوتی ہیں۔ خصوصاً چند گھونٹ بادۂ رنگیں چڑھا لینے کے بعد۔
ہم نے درویش کامل شیخ بوٹا شجر پوری کا نسخہ نکالا' جو انہوں نے محبت اتارنے کے سلسلے میں بتایا تھا۔ اسے علی قلی پر آزمایا اور تیر بہدف پایا۔ شام ہوتے ہی علی قلی کو کہیں باہر کام پر بھیج دیا جاتا۔ پینا پلانا چھڑوا دیا گیا۔ لڑکی لگا تار علی الصبح اسے دکھائی گئی۔ سورج کی روشنی میں جب علی قلی نے لڑکی کی اصل شکل بغیر میک اپ کے دیکھی تو بہت سے راز ہائے پنہاں آشکار ہوئے۔ چند ہی دنوں میں ایسا بدلا کہ لڑکی سے کوسوں دور بھاگنے لگا۔ دلی کا رخ ہی نہ کرتا تھا۔ بلکہ ایک روز معروض ہوا کہ میں تارک الدنیا بننا چاہتا ہوں۔ ہم نے اسے منع کر دیا۔
شیخ بوٹا شجر پوری کے بقیہ نسخے بھی استعمال کریں گے' انشاء اللہ!

○ ہند کے بادشاہ گر

ہند کے دو بادشاہ گر ... سید برادرز (حسین علی خان اور پتا نہیں کیا علی خاں) تقریباً ہر روز پریس کانفرنس منعقد کرتے اور انواع و اقسام کے بیان دیتے۔ چونکہ پریس ان کے ہاتھ میں تھا' اس لئے ملک کی سیاست پر پورا قابو تھا۔ دونوں بھائی اکثر دورے پر رہتے تھے۔ اس لئے ہماری خدمت میں حاضر نہ ہو سکے۔ ایک روز ہم نے بازار میں ایک بورڈ دیکھا جس پر "اصلی شہنشاہی بادشاہ گران مملکت ہند" لکھا تھا۔ اوقات ملاقات اور مشورے کی فیس بھی درج تھی۔ ہم نے انہیں اپنے دیدار سے سرفراز فرمایا اور انہیں بلا کر چست و چالاک و چار سو بیس پایا۔ کاش! کہ ہم ایسے سمارٹ لوگوں کو اپنے ساتھ لے جا سکتے۔ محمد شاہ سے کہا کہ ہمیں ایک جوڑی بادشاہ گر درکار ہیں۔ وہ ملتمس ہوا کہ "ان ہی کے دم سے تو دلی میں رونق ہے۔ للہ انہیں چھوڑ جایئے۔ گداگر البتہ حاضر ہیں۔"
"وہ تو ہم ملتان سے خود لے سکتے ہیں۔" ہم نے فرمایا۔

○ ایک رفیق دیرینہ سے ملاقات

چاندنی چوک سے گزر رہے تھے کہ شور و غل سنائی دیا۔ دیکھتے ہیں کہ بہت بڑا جلوس آ رہا ہے۔ آگے آگے ہاروں سے لدا ہوا ایک شخص ہے کہ شکل اس کی زمانہ ساز

خاں سے ملتی ہے۔ یہ زمانہ ساز خاں ہی تھا۔ ہمیں پہچان گیا۔ معانقہ کیا۔ معلوم ہوا کہ ملک کے بڑے لیڈروں میں شمار ہوتا ہے۔ خدا کی شان یہی زمانہ ساز خاں کبھی زمانے کی ٹھوکریں کھاتا اور بھیڑوں کی اون تراشتا۔ آج اس شان و شوکت سے نکلتا ہے کہ شہنشاہ دیکھیں تو رشک کریں۔ شام کو ہم نے اسے مدعو کرکے اس کی عزت افزائی فرمائی اور اس حیرت انگیز ترقی کی وجہ پوچھی۔ کہنے لگا کہ اس کی زندگی قربانیوں کا مرقع رہی ہے' ملک اور قوم کی خدمت کرکے اس رتبے کو پہنچا ہے۔ شراب کا دور چلا تو بہت جلد آؤٹ ہو گیا۔ ہمارے دوبارہ استفسار کرنے پر اصلی بھید کھلا۔ اس نے اقبال کیا کہ ایران سے یہاں آ کر بکریوں کی اون تراشنے کی کوشش کی۔ لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ پھر پوسٹر چسپاں کرنے پر ملازم ہوا۔ ایک روز شومئی قسمت سے کوئی خاص پوسٹر لگاتے ہوئے گرفتار کر لیا گیا۔ صاحب پوسٹر سے جیل میں تعارف ہوا۔ رہائی کے بعد انہوں نے ایک سیاسی جلسے میں بلایا۔ اسٹیج کے قریب یہ دھواں دھار تقریر سننے میں ہمہ تن گوش تھا (جو خاک سمجھ میں نہیں آ رہی تھی) کہ لاٹھی چارج کی مہیب صدا کانوں میں پڑی۔ گھڑی بھر میں افراتفری مچ گئی۔ چنانچہ مخالف سمت میں جست لگائی اور اتفاقاً اسٹیج پر اپنے تئیں کھڑے پایا۔

گرفتاری شروع ہوئی تو غلطی سے لیڈروں کے ساتھ دھر لیا گیا۔ جیل میں سیاسی قیدیوں والا سلوک ہوا جو کہ نہایت تسلی بخش تھا۔ رہائی ہوئی تو پبلک نے جھنڈوں' بینڈ باجوں' نعروں اور آتش بازی سے استقبال کیا۔ شہر بھر میں جلوس نکلا۔ گھر پہنچا تو بالکل جی نہ لگتا تھا۔ اگلے ہفتے سیاسی جلسے میں دانستہ طور پر اسٹیج کے قریب رہا' لاٹھی چارج ہوتے

ہی فوراً لیڈروں میں گھس گیا تا کہ گرفتاری کے وقت آسانی سے دستیاب ہو سکے۔ بڑے گھر میں قیام و طعام کا انتظام گھر سے کئی درجے بہتر تھا۔ اسے بھی محسوس ہونے لگا کہ آہستہ آہستہ وہ کچھ لیڈر سا بنتا جا رہا ہے۔ اب اس نے سنجیدگی سے کام شروع کیا۔ کتابوں سے تقریریں نقل کرنے لگا۔ آئینے کے سامنے مشق شروع کر دی۔

خدا نے دن پھیرے اور وہ لیڈروں میں شمار کیا جانے لگا۔

ہم نے یہ سنا تو رشک و حسد کے جذبات محسوس فرمائے۔ پھر سوچا کہ موجودہ پوزیشن بھی کوئی خاص بری نہیں ہے۔ زمانہ ساز خاں معروض ہوا کہ "برخوردار علی قلی خاں کچھ کچھ پرولتاری سا معلوم ہوتا ہے۔ کیوں نہ اس کو اسی لائن پر ڈال دیں۔" ہم نے فرمایا کہ "علی قلی خاں روپے پیسے والا ہے۔ یہ تو جب چاہے لیڈر بن سکتا ہے۔" وہ ملتمس ہوا کہ "یہ بھی درست ہے لیکن فی زمانہ لیڈری افضل ترین پیشہ ہے۔" ہم نے بات کاٹی اور فرمایا کہ "نہیں لیڈری نمبر دو ہے اور پیری مریدی نمبر ایک۔"

○ ہمارا مقامی سیاست میں حصہ لینا

ان دنوں ایک الیکشن زوروں پر تھا۔ الو شناس معروض ہوا کہ ہم دلی میں اس قدر مقبول ہو چکے ہیں کہ خواہ کسی ٹکٹ پر کھڑے ہو جائیں' انشاء اللہ کامیاب ہوں گے۔ بادشاہ گروں سے مشورہ لینا بیکار تھا۔ کیونکہ الیکشن کے معاملے میں وہ بالکل یوں ہی تھے۔ ایک ایک ٹکٹ پر لاتعداد امیدواروں کو نامزد کر دیتے تھے۔ یہاں تک کہ بعض اوقات امیدواروں کی تعداد رائے دہندگان سے زیادہ ہو جاتی۔ لطف یہ تھا کہ ہمارے مقابلے میں محمد شاہ بھی تھا۔ فرمانبردار خاں نے حسب معمول نہایت مایوس کن خبریں سنائیں۔ جب ہم نے اس کو برا بھلا کہا' تو وہ بھی مان گیا کہ واقعی ہم شہر میں بے حد ہر دلعزیز ہیں اور الیکشن میں ضرور کامیاب ہوں گے۔ یہ شخص آہستہ آہستہ ہمارے مزاج سے واقف ہوتا جا رہا ہے۔

سات امیدواروں سے دو کو زر کثیر تحفتاً　　دے کر بٹھایا گیا۔ تیسرے کو ڈرا دھمکا

کر علیحدہ کیا۔ چوتھے کو سفیر بنا کر باہر بھجوانا پڑا۔ دو کمال درجہ ضدی نکلے۔ ایک کو زد و کوب کرایا تو مانا' دوسرے نے مشکوک حالات میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ رائے شماری شروع ہوئی۔ حقہ بردار خاں نے شہر بھر کی دعوت کی۔ لوگوں کو تحفے اور زر نقد دیا۔ رائے دینے والوں کو طرح طرح سے خوش کیا۔ اتنی خاطر تواضع کے بعد بھی کوئی بدتمیز نہ مانتا تو اسے ڈنڈے کے زور سے منوایا جاتا کہ ہم سچ مچ ہر دلعزیز ہیں۔ ہم جیت تو گئے لیکن اخراجات کی تفصیل دیکھی تو ازحد پشیمان ہوئے۔ افسوس بھی ہوا کہ ناحق ذرا سی خوش وقتی کی خاطر اتنا روپیہ اور وقت برباد کیا۔ معلوم ہوا کہ ہند میں ہر صاحب دولت کی سب سے بڑی خواہش ہوتی ہے کہ الیکشن لڑے۔ سیاسی معاملات میں یہ لوگ بالکل سنجیدہ نہیں ہوتے۔ نتیجے سے زیادہ وقتی ہنگامے کی پرواہ کرتے ہیں اور محظوظ ہوتے ہیں۔

ملک ملک کا رواج ہے صاحب۔

- دلی میں سیٹل ہونے کا ارادہ

الو شناس نے مشورہ دیا کہ دنیا میں یوں مارے مارے پھرنے کی بجائے کیوں نہ ہم ایک اچھی سی مملکت میں باقاعدہ سیٹل ہو جائیں۔ یہ حقیقت ہے کہ اب تک ہماری حیثیت مانند ایک رفیوجی کے رہی ہے۔ ہم نے عزیزی محمد شاہ سے ذکر کیا اور رہائش کے لیے لال قلعہ الاٹ کروانے کی خواہش ظاہر کی۔ وہ بولا "لال قلعے میں تو ہم رہتے ہیں۔ آپ قطب صاحب کی لاٹھ الاٹ کرا لیجیے یا شاہی مسجد۔"

ہم نے انکار فرمایا اور اپنے مہاجر ہونے کی اہمیت جتائی۔ وہ بولا' ہم لوگ بھی تو مہاجر ہیں' ہمارے آباء و اجداد وسط ایشیا سے آئے تھے۔ ہم نے بتیرا سمجھایا کہ وہ مقامی مہاجر ہیں اور ہم نووارد ہیں جنہیں اب تک نہیں بسایا گیا۔ اس نے گستاخانہ کہا۔ یوں

تو حضرت آدم بھی مہاجر تھے کہ بہشت چھوڑ کر آئے تھے۔
ہمیں سخت غصہ آیا' لیکن فوراً اتر گیا۔ پتا نہیں کیا بات ہے کہ ہند میں کچھ عرصہ رہنے کے بعد وہ پہلے جیسا غصہ ہی نہیں آتا۔ لیکن محمد شاہ کو اس گستاخی کی سزا اسی شام کو مل گئی۔ الو شناس بھاگا بھاگا آیا۔ بولا' محمد شاہ خزانے میں ہے اور زر و جواہرات ادھر ادھر چھپا رہا ہے۔ ہم فوراً موقع پر پہنچے۔ ہمارے دیکھتے دیکھتے اس نے ایک وزنی سی چیز اپنی پگڑی میں چھپا لی۔ ہند کے رواج کے مطابق ہم نے ازراہ مروت فرمایا کہ آج سے محمد شاہ اور ہم بھائی بھائی ہیں' لہٰذا ہم دونوں اپنی پگڑیاں بدلیں گے۔
غالباً یہ محض اتفاق تھا کہ اس کی پگڑی سے کوہ نور ہیرا برآمد ہوا۔

○ ہندی وزراء سے شکر رنجی

الو شناس اور محمد شاہ کے وزراء کی ناچاقی کی وجہ دو کروڑ کی وہ رقم تھی جو شاہی ایلچی ہمارے لئے کرنال میں لے کر آیا تھا۔ وزراء کا اصرار تھا کہ رقم ادا ہو چکی ہے۔ الو شناس انکار کرتا تھا اور یہ بھی کہتا تھا کہ رقم دو کروڑ نہیں ڈھائی کروڑ تھی۔ ایلچی اسی کشمکش میں اللہ کو پیارا ہو چکا تھا۔ ہم نے محمد شاہ سے فرمایا کہ روپیہ پیسہ ہاتھ کا میل ہے' لہٰذا شاہی خزانے میں رقم چکا دی جائے۔ رقم ادا کر دی گئی لیکن شکر رنجی نہ کی گئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ محمد شاہ اپنے وزیروں سے ڈرتا ہے۔ کہنے لگا' اہل دربار کی التجا ہے کہ اس مرتبہ آپ سے رسید لکھوا لی جائے۔ ہم مان گئے۔ ڈھائی کروڑ کی رسید تیار کی گئی۔ ہم نے دستخط شروع کئے چوتھی مرتبہ ہی ابن شمشیر لکھا ہو گا کہ وہ گھبرا گئے اور کہنے لگے کہ کاغذ چھوٹا ہے' دستخط مختصر ہونے چاہئیں۔ عزیز محمد شاہ کے دستخط تو بے حد مختصر ہیں' اس نے شکستہ حروف میں محض "ایم ایس رنگیلا" لکھا۔
اب کم بخت محرر کہیں سے آ ... اعتراض سے بچنے

کے لئے رسید پر ایک آنے کا ٹکٹ چسپاں کیا جائے۔ ٹکٹ لگایا تو معلوم ہوا کہ یہ غلط ٹکٹ تھا۔ ڈاک خانے کا نہیں محکمہ مال کا ٹکٹ ہونا چاہیے۔ پھر کسی نے کہا کہ ایک آنے کا نہیں' دو آنے کا ٹکٹ لگے گا۔ مجبوراً اپنی جیب سے دو آنے دیئے۔ اس دفتری کارروائی سے طبیعت بدمزہ سی ہو گئی اور ساڑھے چار کروڑ کا لطف نہ آیا۔

"ایسے لاجواب وزیر تم نے کہاں سے حاصل کئے؟" ہم نے پوچھا۔

"وزیرستان سے۔" وہ بولا

"اور یہ وزیرآباد کیا ہے؟"

"یہ یونہی ہے۔"

○ ایک باکمال بزرگ

قطب الدین خان جاگیر دار کے ہاں شادی پر گئے۔ دولہا کی عجیب درگت بنی۔ عورتیں پہلے تو اسے برا بھلا کہتی رہیں' پھر زد و کوب کرنے لگیں اور وہ تھا کہ چپ چاپ بیٹھا تھا۔ سوچا کہ شاید ان بن ہو گئی ہے۔ لیکن معلوم ہوا کہ شادی کی رسمیں ادا ہو رہی ہیں۔ لاحول پڑھی۔

نکاح سے قبل ہم نے دولہا سے دریافت کیا کہ اس کی آخری خواہش کیا ہے' تا کہ پوری کروا دی جائے۔ وہیں ایک لنگوٹی پوش بزرگ کو دیکھا کہ لمبا سا عصا ہاتھ میں لیے خاموش بیٹھے ہیں۔ کسی کو علم نہ تھا کہ یہ رہتے کہاں ہیں اور کیا کرتے ہیں۔

لیکن کہیں شادی ہو تو ضرور آتے ہیں۔ نکاح شروع ہوا تو ذرا قریب آ گئے۔ جب دولہا نے "قبول کیا" کہا تو بزرگ نے ڈنڈا اچھال کر "پھنس گیا" کا نعرہ لگایا اور غائب ہو گئے۔ معلوم ہوا کہ ہر شادی میں وہ اسی طرح کرتے ہیں۔

تعجب ہے ہند میں ایسے ایسے باکمال بزرگ بھی موجود ہیں۔

○ مینا بازاروں کی بھرمار

اب تو مینا بازار ہر ہفتے لگنے لگا۔ ملک کے مختلف حصوں سے خواتین آرائشی سامان خریدنے کے بہانے آتیں، اپنی دختران وغیرہ کو بھی ساتھ لاتیں۔ نہ جانے کس نے اڑا دی تھی کہ یہ خدا نخواستہ ہم ایک اور شادی کریں گے یا برخوردار علی قلی خان منگنی کرائے گا۔ لیکن ہم خواتین سے دور ہی رہتے۔ برخوردار علی قلی خان کو بھی دور دور رکھتے۔ ہم شادی برائے شادی کے ہرگز قائل نہیں ہیں۔

خواتین سے دور رہنے کی ایک اور وجہ بھی تھی کہ ان کے قریب رہ کر ہمیں دیدے مٹکانے، ہاتھ نچانے اور انگلی سے ناک چھو کر بات کرنے کی عادت پڑ گئی تھی۔ دوران گفتگو ہمارے منہ سے غیر شعوری طور پر اف، اوئی اللہ، توبہ، ہائے، نگوڑا وغیرہ جیسے کلمات بھی نکل جاتے جس سے بعد میں پشیمانی ہوتی۔ ہم زیورات، کپڑوں اور ساس بہو کے قضیوں میں بھی دلچسپی لینے لگے تھے۔ ذرا ذرا سی باتوں پر جھنجلا اٹھتے۔ بات بات پر لڑنے کو تیار ہو جاتے۔ چنانچہ جب کسی خاتون نے ایک مینا بازار میں ہم سے حملہ آوری کی وجہ پوچھی تو ہم نے پہلے تو بھرے بازار میں اسے کوسنے دیئے کہ اگر ہم نے آتے تو کوئی اور آ جاتا۔ پھر فائل منگا کر وہ تمام کانفیڈنشل خطوط دکھائے، جو ہندی امراء نے وقتاً فوقتاً ہمیں لکھے تھے اور ہمیں حملہ کرنے کا مشورہ دیا تھا (ہماری حملہ آوری کی ایک یہ وجہ بھی ہو سکتی تھی جو فرمانبردار خاں کو یاد نہ رہی)

○ جنوبی ہند سے وفد

جنوبی ہند سے ایک وفد برائے نادر یار جنگ بہادر آیا۔ ہم بہادر ضرور ہیں، جنگ کا بھی شوق ہے لیکن یار وغیرہ کسی کے نہیں ہیں۔ انہیں گلہ تھا کہ خیبر سے آنے والے

حملہ آور دلی تک آتے ہیں اور وہیں کے ہو رہتے ہیں۔ جنوب کو بھولے سے بھی نہیں نوازتے۔ ہم چونکہ سیٹل ہونے کے اہم مسئلے پر غور فرما رہے تھے' اس لیے معذوری ظاہر کی۔ انہوں نے التجا کی کہ شبیہ مبارک کی ایک تصویر ہی عنایت فرمائی جائے' تا کہ کیلنڈروں' جنتریوں میں چھپوا سکیں۔ ہندی بادشاہ تصویر اترواتے وقت ہاتھ میں ایک پھول پکڑ کر سونگھتے ہیں۔ ہم نے جدت پیدا کی اور دونوں ہاتھوں میں دو پھول پکڑ کر سونگھے۔

○ ایک ترقی یافتہ خاتون

ہمارا اور محمد شاہ کے دربار کی ایک ترقی پسند خاتون کا قصہ بہت بڑھا چڑھا کر بیان کیا گیا ہے۔ یہ بیان بالکل بے بنیاد ہے کہ ہمیں اس سے لگاؤ تھا۔ دراصل ہمیں تمباکو' شراب' محبت و دیگر منشیات سے بچپن سے نفرت رہی ہے۔ خاتون موصوف کو گانے بجانے کا شوق تھا اور ہمیں گانے بجانے سے شغف ہو چلا تھا۔ دربار میں اس نے "نے تاب وصل دارم نے طاقت جدائی" والی رباعی کچھ ایسے انداز سے گائی کہ یار لوگوں کو شبہ ہوا اور افواہیں اڑنے لگیں۔ شروع شروع میں تو ہمارا خیال اس کی جانب رہا' لیکن پھر الو شناس کے سمجھانے پر سنبھل گئے۔ اس نے بتایا کہ بالائی طبقے میں لڑکیوں کا ایک مدرسہ فکر ایسا بھی ہے' جو چہلیں تو کرتی ہیں نوجوانوں سے اور شادی کرتی ہیں بوڑھے امیروں سے' خواہ ان کی پہلی بیویوں کی تعداد کتنی ہی ہو۔ کبھی کبھار بوڑھے کے پروگرام میں شریک ہو گئیں' لیکن زیادہ وقت کزنوں کے ساتھ گزارا۔

ایسا کرنے میں وہ اپنے آپ کو اس لئے حق بجانب سمجھتی ہیں کہ نوجوانوں کے پاس روپیہ نہیں ہے اور بوڑھوں کے پاس ہے اور باقی چیزیں آنی جانی ہیں۔

ایک روز ہم چڑ گئے۔ ہم نے ایک غزل گائی' جس کے شروع کے بول تھے۔

ساٹھویں سال میں قدم آیا
زلفیں مشکیں میں پیچ و خم آیا

آمد آمد ہوئی جوانی کی

غمزہ و ناز و دلستانی کی

ہند میں ساٹھ برس کی عمر میں اکثر لوگ سٹھیا جاتے ہیں۔ ہم ساٹھ کے نہ تھے' مگر سمجھ گئے کہ وار ہم پر ہوا ہے۔ دیر تک آئینے کے سامنے کھڑے رہے۔ لیکن قطعی رائے قائم نہ کر سکے۔ فرمانبردار خاں سے اپنی شکل و صورت کے متعلق دریافت کیا' اس نے حسب معمول نہایت گستاخ و مایوس کن جملے کہے۔ طیش میں آ کر اسے درے لگوانے کا قصد کیا۔ پھر خیال آیا کہ فرمانبردار خان تو پہلے سے ہی درانی ہے۔ چنانچہ اسے معاف کیا اور الو شناس کو بلایا۔ وہ نمک خوار دست بستہ معروض ہوا کہ روئے پر نور پر وہ پر ہیبت جلال طاری ہے کہ نگاہیں اوپر نہیں اٹھتیں۔ لہٰذا شکل و صورت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس فقرے سے بھی ہماری تسلی نہیں ہوئی۔
پھر ہمیں معلوم ہوا کہ سارے معاملے میں مسز محمد شاہ کا ہاتھ ہے۔ محمد شاہ خود ترقی پسند ہے۔ لہٰذا خاتون موصوف میں ضرورت سے زیادہ دلچسپی لیتا رہا ہے۔ عورتوں کا حسد مشہور ہے۔ مسز محمد شاہ ہمیں اس عمر میں بیوقوف بنانا چاہتی ہیں کہ ہم اس طرار حسینہ کو اپنے ہمراہ ایران لے جائیں۔ ہم بھانپ گئے اور اس سے دور دور رہنے لگے۔ خاتون مذکور ہماری بے اعتنایی سے چراغ پا ہو گئی اور ایک جلسے میں ہمارے رجعت پسند ہونے کا اعلان کرکے ہم سے مکمل بائیکاٹ کر دیا۔
خیر رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گزشت

○ جامعہ فرقانی

آج صبح ملا فرقان اللہ بن برہان اللہ کہ مقامی جامعہ فرقانی کا صدر ہے' آستاں بوسی کے لیے حاضر ہوا اور ملتمس ہوا کہ جامعہ ہم کو ایک اعزازی سند دے کر عزت افزائی (اپنی) کرنا چاہتا ہے۔ جامعہ میں پورا کورس چھ برس کا ہے۔ بعض فارغ البال اور نیک نفس والدین کے بچے یہ کورس دس بارہ سال میں کرتے ہیں۔ ان طلباء کو خلیفہ کہا جاتا ہے۔ اگر کوئی بچہ کورسک کے اختتام سے پہلے بھاگ جایے تو اس کو صرف علامہ کی سند ملتی ہے۔ کورس پورا کر لے تو علامتہ الدہر کہلاتا ہے۔ دوسری سندیں مثلاً ابوالبرکات' ابوالافضال' ابوالفضیلت عموماً سرکاری حکاموں' جامعہ کے معلمین کے دوستوں اور ہمارے جیسے سیاحوں' تاجروں اور حملہ آوروں کے لیے وقف ہیں۔ عزیزی محمد شاہ دو مرتبہ ابوالبرکات رہے اور تین مرتبہ ابوالفضیلت۔

جامعہ ہر سال چار سو علامتہ الدہر بناتا ہے۔ جو عموماً چوبیس پچیس روپے ماہوار کے منشی یا کسی تاجر کے منیم بن جاتے ہیں۔ منشی بننے کے کوئی چار پانچ مہینے کے بعد ان کے والدین کو شادی کی (اپنے ہونہار فرزند کی' اپنی نہیں) فکر پڑ جاتی ہے۔ شادی کرتے وقت شکل و صورت کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی جاتی' کیونکہ اس ملک میں شکل صورت نہیں ہوتی' صرف روپے پیسے کا خیال رکھا جاتا ہے۔ عجیب تماشا ہے کہ شادی میں لڑکے دلہن کے علاوہ ایک کثیر رقم کی بھی توقع رکھتے ہیں۔ یہ بھی چاہتے ہیں کہ سسرال والے انہیں اعلیٰ تعلیم دلانے کے لئے سمندر پار بھیج دیں تا کہ وہ خوب داد عیش دے سکیں۔ ہمارے خیال میں یہ انتہا درجے کی ہم ہمتی ہے' تبھی اس ملک میں بیچاری لڑکیوں کی وہ آؤ بھگت نہیں ہوتی' جو لڑکوں کی ہوتی ہے۔

○ جامعہ میں ہماری تقریر

اعزازی سند کے سلسلے میں ہمیں خواہ مخواہ تقریر کرنی پڑی حالانکہ وہ ہمیں پہلے سے خبردار

کیا گیا تھا اور نہ ہم تیار تھے۔ پہلے ملا فرقان اللہ بن برہان اللہ نے ہماری ذات کا تعارف یوں کرایا۔

"حضرات! کیسا روز سعید ہماری زندگی میں آیا ہے کہ اعلیٰ حضرت نادر شاہ صاحب کی

ذات والا صفات کا نزول ہوا ہے۔ شاہ صاحب کا تعارف محتاج بیان نہیں۔ آپ نے جس سلسلے میں دلی تشریف لانے کی زحمت گوارا کی ہے' وہ اب واضح ہو چکا ہے' سنا ہے کہ جناب فلاں صاحب بین الاقوامی سطح پر ایرانی اور ہندوستانی روپے کی قیمت چکانے آئے ہیں۔ آپ کی علیت شبیہ مبارک سے ظاہر ہے۔ آغا صاحب پہلوی زبان کے ہر پہلو سے ماہر ہیں۔ شہنشاہی سے پہلے آپ کا شغل۔ خیر جانے دیجئے۔ ان کی تقریر کو خاموشی سے سنا جائے کیونکہ آپ شہنشاہ ہیں اور آپ کو اپنی پھوپھی صاحبہ مدظلہا سے بھی ملاقات مقصود تھی جو اتفاق سے اس ملک میں مقیم نہیں ہیں۔ لیکن ہماری شامت اعمال۔ معاف کیجئے۔ اچھا تو حضرات۔ مولانا نادر شاہ صاحب!"

ہم کو اس بدتمیز ملا پر سخت غصہ آیا کہ ہمارے تئیں کبھی آغا کہا ہے' تو کبھی مولانا اور کبھی کچھ اور۔ ایک بات پر قائم نہیں رہتا۔ یہ شخص دانستہ طور پر ہمارا تمسخر اڑاتا ہے۔ اچھا اسے سمجھیں گے۔

ہم تالیوں کے شور میں اٹھے اور فرمایا۔

"پیارے اطفال' معلمین حضرات و پرنسپل ملا ایف اللہ! آپ نے ہم کو یہاں مدعو کر کے جامعہ کی جو عزت افزائی کی ہے اس کے لئے ہم آپ سب کو ممنون ہونے کا موقع دیتے ہیں۔ آپ کو ایسے موقعے کہاں میسر ہوتے ہیں کہ ہم سا شہنشاہ آپ کو اپنی خوش کلامی سے مستفیض کرے۔ سب سے پہلے تو ہمیں آپ حضرات کی زبوں حالی پر تعجب ہوتا ہے۔ رونا بھی آتا ہے۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ آپ یہاں کوئی دو ہزار کی تعداد میں بیٹھے ہیں۔ بخدا ہمیں آپ ڈیڑھ سو کے قریب لگ رہے ہیں۔ پرسوں دربار میں کوئی کاریگر بیس گز ڈھاکے کی ململ ایک انگوٹھی میں سے گزار رہا تھا۔ دوسری طرف سے کپڑے کو جھٹکے سے کھینچا گیا تو کاریگر خود بھی انگوٹھی میں سے گزر گیا۔ اس

قدر دھان پان انسان ہم نے پہلے کبھی نہیں دیکھے۔ یہ آپ کی غذا کا قصور ہے یا آب و ہوا کا۔ آپ کے چہروں پر کچھ ایسا جمود اور بے حسی ہر وقت رہتی ہے جیسے آپ ہر چیز سے مطمئن ہیں۔ آپ جی کیا رہے ہیں' گویا زندگی پر احسان کر رہے ہیں۔ آپ کے قبرستانوں میں کتبے تک غلط ہیں۔ (ہم نے بلیک بورڈ پر لکھنا شروع کیا) مثلاً

"شیخ خدا بخش مرحوم

سن سولہ سو دس میں پیدا ہوئے۔ سن سولہ سو ستر میں ساٹھ برس کی عمر میں انتقال کر گئے۔"

یہ غلط ہے۔ اس کی جگہ یوں ہونا چاہیے۔

"شیخ خدا بخش مرحوم

سن سولہ سو دس میں پیدا ہوئے۔ پچیس سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ ساٹھ برس کی عمر میں دفن ہوئے۔"

حضرات و اطفال ہم ایران سے بڑی امیدیں لے کر چلے تھے۔ شروع میں پختہ ارادہ تھا کہ دشمن کی بوٹی بوٹی اڑا دیں گے۔ کابل میں آیے تو سوچا انہیں زد و کوب کریں گے۔ خیبر پہنچے تو ارادہ ہوا کہ ان سے کشتی لڑیں گے۔ لیکن یہاں کی آب و ہوا کو اس درجہ سکون پرور اور باشندوں کو اس حد تک بااخلاق' وضع دار' نحیف و نزار پایا کہ دن بھر قیلولہ کرنے اور یار لوگوں سے گپیں اڑانے کا شغل اختیار کر لیا ہے۔ یہاں کی آب و ہوا کا اثر نہایت صلح جویانہ ہے۔ یہ خون کو ٹھنڈا کرتی ہے۔ اب ہم سوچتے ہیں کہ دشمن نے ہمارا کیا بگاڑا ہے۔ مفت کی لڑائی بھڑائی سے آخر کیا فائدہ؟ سنا ہے کہ جنوبی اور مشرقی ہند کی آب و ہوا اور بھی گئی گزری ہے۔ چنانچہ ہم اور آگے نہیں جائیں گے۔ ہم آپ کو مبارکباد دیتے ہیں آپ کی روایات پر۔ آپ کی قومی روایات بے حد شاندار ہیں۔ آپ نے کسی اجنبی کو مایوس نہیں کیا۔ کئی سو سال پہلے آپ کا شغل بیرونی لوگوں سے حکومت کروانا ہے اور تو اور آپ نے خاندان غلاماں سے بھی حکومت کروائی ہے اور وسعت قلب کا ثبوت دیا ہے۔ آپ کو ایک دوسرے کی نقل

کرنے میں خاص مہارت حاصل ہے۔ یعنی آپ بھیڑ چال چلتے ہیں (یہاں ہم اسٹیج سے نیچے اترے اور بھیڑ چال چل کر دکھائی)

آپ کے ادب و موسیقی کے چرچے ہم نے پہاڑ کے اس پار سنے تھے۔ آپ کے ہاں تقریباً ہر تیسرا یا چوتھا شخص شعر کہتا ہے اور تخلص کرتا ہے۔ یہ آب و ہوا اور یہ صحت جیسی کہ آپ کی ہے' شعر و شاعری کے لئے نہایت ساز گار ہے۔ آپ کی موسیقی کے کیا کہنے۔ پچھلے ہفتے لال قلعے میں درجن بھر آدمیوں کو قوالی گاتے سنا۔ وہ خوب سر دھنتے اور وجد میں آ کر تالیاں بجاتے۔ یہ لوگ بے حد دانا ہیں' گاتے وقت ایک کان پر ہاتھ دھر لیتے ہیں۔ غالباً دوسرے کان سے جسے کھلا چھوڑتے ہیں' ضرور بہرے ہو جاتے ہوں گے ۔ پھر ایک شخص کو دیکھا کہ گانے کے بہانے طرح طرح سے ہمارا منہ چڑاتا تھا۔ ہماری طرف عجیب و غریب اشارے کرتا تھا۔ ہمیں غیض و غضب آیا ہی چاہتا تھا کہ ہمیں بتایا گیا کہ یہ پکا راگ گا رہا ہے۔ سنا ہے کہ آپ کے ہاں ہر وقت کا راگ جدا جدا ہوتا ہے۔ آپ کی موسیقی کا مطالعہ فرما کر ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ یہاں صبح صبح ہر شخص بیزار ہوتا۔ غالباً رات کو آپ چٹ پٹا مرغن کھانا کھا جاتے ہیں یا نشہ کر جاتے ہیں۔ کئی مرتبہ یوں ہوا کہ علی الصبح مسرور اٹھے لیکن وقت کے راگ نے غمگین کر دیا اور رات کو عبادت کا قصد کر رہے تھے کہ وقت کے چنچل راگوں سے متاثر ہو کر رنگ رلیاں شروع کر دیں۔

حضرات! جب پشاور سے آگے آئے تو ہمیں بتایا گیا کہ سکندر یونانی کے زمانے میں یہاں بہت بڑا جنگل تھا۔ مبارک ہو کہ آپ نے بیشتر جنگلات کو صاف کر دیا ہے۔ آپ کے نزدیک درخت کا صحیح مصرف اس کو کاٹ ڈالنا ہے۔ ہم نے گاؤں میں بچوں کو چھوٹی چھوٹی کلہاڑیاں لیے تقریباً درخت کاٹتے دیکھا ہے۔"

ہماری تقریر جو کہ بے ربط تھی' ملا فرقان اللہ کی گستاخی کا صحیح جواب تھی۔ ہم دیر تک بولتے رہے۔ ہمیں یاد نہیں کہ ہم نے اور کیا کچھ کہا۔ اچانک چند بدتمیز طلبہ کی

جمائیوں اور خراٹوں نے ہمیں چونکا دیا اور ہم بیٹھ گئے۔

○ سوالات و جوابات

ملا فرقان نے اٹھ کر ہمارا شکریہ ادا کیا اور حاضرین سے مخاطب ہو کر بولا۔ "نادر شاہ صاحب سے سوال پوچھے جائیں' تو آپ ان کا موزوں جواب دیں گے۔"

کچھ دیر خاموشی رہی۔ پھر ایک کونے میں کھسر پھسر ہونے لگی۔ "کیا آپ ملوکیت پسند ہیں؟" پوچھا گیا۔

"ہم طوائف الملوکیت پسند ہیں۔" ہم نے جواب دیا۔

"تو گویا آپ شہنشاہ پسند ہوئے؟" کسی اور نے پوچھا۔

"شہنشاہ پسند؟" ہم نے مسکرا کر کہا۔ "ہم خود شہنشاہ ہیں۔"

"کیا آپ کے خیال میں شہنشاہی بیکار سی چیز نہیں۔ خصوصاً جب ہم سب کے سب ایک جیسے ہیں؟" ایک برخوردار بولے۔

"ہاں" ہم نے فرمایا۔ "جسمانی لحاظ سے تو ایک جیسے لیکن اوپر والی منزل میں (ہم نے اپنے سر کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا) فرق ہوتا ہے۔"

"صاف صاف بتایئے قبلہ' آپ دائیں جانب ہیں یا بائیں جانب؟"

یہ سوال ہماری سمجھ میں نہ آیا۔ ہم نے اسی طرح مسکراتے ہوئے (مقرر کو ہمیشہ مسکراتے رہنا چاہیے) جواب دیا۔ "ہم شہباز خاں الو شناس کی بائیں جانب ہیں اور ملا فرقان اللہ کی دائیں جانب۔"

"کیا آپ ایران سے آئے ہیں؟"

ایسے آسان سوال پر ہم بڑے خوش ہوئے۔ "ہاں ہاں' برخوردار! اور کیا تم ہندوستان میں رہتے ہو؟"

"شہنشاہی سے پہلے آپ کا ذریعہ معاش کیا تھا؟" ایک طرف سے آواز آئی۔

اگرچہ ہم نے کافی صبر و تحمل دکھایا تھا لیکن اس گستاخ سوال نے ہمیں سیخ پا کر دیا۔ ہماری آنکھوں میں خون اترنا شروع ہوا۔ میز پر ہمارا مکا اتنے زور سے پڑا کہ میز ٹوٹ گئی۔ منہ کا جھاگ ملا فرقان اللہ پر گرا جس نے جست لگائی اور دوسری میز پر چڑھ گیا۔ ہڑبونگ سی مچ گئی۔ لوگ اپنی اپنی پگڑیاں چھوڑ چھوڑ کر بھاگنے لگے۔

○ نوازنا ملا فرقان اللہ کو

ہمیں یقین ہو گیا کہ ہو نہ ہو یہ سب اسی ملا کی شرارت ہے۔ پہلے ہمیں خفا کر کے ایسی جلی بھنی تقریر کروانا۔ پھر سوال پوچھنے کا شوشہ جان بوجھ کر چھوڑنا۔ اگلے روز ہم نے اس کی مالی حالت کے متعلق معلومات بہم پہنچائیں۔ پتا چلا کہ ملائی کا نرا ڈھونگ ہے۔ خوب عیش و عشرت زندگی بسر کرتا ہے۔ چنانچہ ہم نے عزیزی محمد شاہ سے کہا کہ اس کی خدمات کے صلے میں اسے ایک ہاتھی انعام میں دیا جائے۔ کچھ عرصے کے بعد مخبر بھیج کر پتا کرایا تو معلوم ہوا کہ شاہی ہاتھی کے خورد و نوش پر نصف سے زیادہ اثاثہ نیلام ہو چکا ہے۔ ہم نے دوبارہ دربار میں بلا کر عزت افزائی کے بہانے ایک اور ہاتھی (جو سفید تھا) مرحمت فرمایا۔ ہفتے عشرے کے انتظار کے بعد خبر ملی کہ ملا فرقان اللہ نے خودکشی کر لی اور کیفر کردار کو پہنچا۔ ہمارے ساتھ کوئی جیسا کرے گا ویسا بھرے گا۔

○ اہل ہند کو گستاخیوں کا صلہ

ہم نے وہ تقریر کیا کی مصیبت ہی مول لے لی۔ دنیا میں سچ بولنا بھی جرم ہے۔ ذرا سی تنقید بھی ان لوگوں سے برداشت نہیں ہوتی۔ احتجاج ہو رہے ہیں' جلوس نکل رہے ہیں' پوسٹر لگ رہے ہیں۔ آج تو اہل ہند کی گستاخی حد سے بڑھ گئی۔ گذشتہ چند راتیں

عزیزی محمد شاہ کی دعوتوں میں جاگ کر گزارنا پڑیں۔ چنانچہ طبیعت کچھ گراں ہو گئی۔ شاہی حکیم معائنہ کرنے آئے۔ اتنے میں نہ جانے کس احمق نے شہر میں یہ اڑا دی

کہ نعوذ باللہ ہم اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں۔ لوگوں نے اس خبر کو نہ صرف سچ مان لیا بلکہ اسی سلسلے میں جامع مسجد کے پاس فقراء کو جلیبیاں تقسیم کی گئیں۔ اس کی شہادت یوں ہوئی کہ شہباز خان الو شناس کو' جو اس وقت جامع مسجد کے قریب سے گزر رہا تھا' فقیر سمجھ کر کچھ جلیبیاں دی گئیں' جنہیں وہ بارگاہ دولت میں لے کر حاضر ہوا۔ ہم نے ان کو چکھا اور نہایت لذیذ پا کر اسے دوبارہ جامع مسجد کی طرف بھیجا۔

ہم چند ہزار ایرانی سپاہی لال قلعے میں رکھا کرتے تا کہ بوقت ضرورت کام آ سکیں۔ مفسدوں نے ان کے متعلق یہ مشہور کر دیا کہ ہم انہیں ہر شام مقفل کر دیتے ہیں کہ کہیں وہ بھاگ نہ جائیں۔ ان سپاہیوں کو قلعے کے اندر چھیڑا گیا۔ ہمارے کچھ سپاہی چاندنی چوک سے گزر رہے تھے' ان پر آوازے کسے گئے اور ٹماٹر' شجلم وغیرہ پھینکے گئے۔ ایسی کئی وارداتوں کی اطلاع ہمیں ملی۔ ہم اسپ نمرود (یہ خطاب ہمارا دیا ہوا تھا) پر سوار ہو کر شہر میں گئے تا کہ رعایا کو شرف دیدار بخش کر ان کی غلط فہمی دور کرا دیں۔ اب یہ مشہور ہو گیا کہ اصلی نادر شاہ تو بہشت کو سدھار چکے ہیں' یہ کوئی اور شخص ہے جو بہروپ بھرے ہوئے ہے۔ ہم تخت طاؤس پر بیٹھے تھے کہ دور سے "نادر شاہ مردہ باد" کے نعرے سنائی دیئے۔ اسی وقت غیظ و غضب میں تخت سے چھلانگ لگا کر اپنے چند ہزار سپاہیوں کو کھولا اور تلوار کھینچ کر حکم دیا کہ تلوار کے دستوں سے لاٹھی چارج کر دو۔ یہ تھا وہ قتل عام۔ ہم چاہتے تو باقاعدہ تلواریں استعمال کرا سکتے تھے۔ گرمی سخت تھی ہم قمیض اتار کر موتی مسجد میں حوض کے کنارے ننگی تلوار ہاتھ میں لیے بیٹھے رہے۔

○ قتل عام

چنانچہ صاحب قتل عام شروع ہوا۔ ہمارے سپاہیوں نے فقط اہل شہر کو زد و کوب کیا تھا۔ اس کے باوجود لاتعداد لوگوں نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ اگلے روز ایک بزرگ آنکھوں میں آنسو بھرے آئے اور درد ناک لہجے میں گویا ہوئے۔ "کسے نہ ماند کہ دیگر بہ تیغ نازکشی۔"

یہ شعر ہم نے پہلے سن رکھا تھا۔ چنانچہ ہم نے مسکرا کر دوسرا مصرع "مگر کہ زندہ کنی خلق را و باز کشی" سنا کر ظاہر کر دیا کہ ہمیں پرانی فرسودہ شاعری زیادہ متاثر نہیں کر سکتی۔ ہمیں شاعری کی جدید قدروں کا قدر دان پا کر انہوں نے جیب سے کاغذ کا پرزہ نکال کر ایک آزاد نظم پڑھی' جو ہماری سمجھ میں بالکل نہ آئی۔ سوائے ایک مصرعے کے' جس میں ہمیں تلوار نیام میں ڈالنے کو کہا گیا تھا۔ رات بھر جاگتے رہے تھے۔ گرمی زیادہ تھی۔ ہمارا دل پسیج اٹھا اور بغل گیر ہونے کی نیت سے آگے بڑھے' لیکن بزرگ جلدی سے آداب بجا لا کر چمپت ہوئے۔ خیر' اب تلوار کو میان میں ڈالنے کی کوشش جو کرتے ہیں' تو معلوم ہوا کہ ہمارے ہاتھ میں تو شہباز خاں کی تلوار تھی' ہماری تلوار تو پہلے ہی میان میں تھی۔ گویا کہ سارا قتل عام ہی غلط ہوا تھا۔ ہم نے فوراً منادی کرا دی کہ پہلا قتل عام غلط ہوا ہے بلکہ ہوا ہی نہیں' کیونکہ تلوار میان سے ذرا نہیں نکلی۔

چنانچہ اس مرتبہ دوسرا صحیح قتل عام شروع ہوا' جو کافی کامیاب رہا۔ دراصل فریقین کو کافی ریہرسل مل چکی تھی۔ پہلے ارادہ تھا کہ اس کے بعد ایک مختصر سا قتل عام بھی کرائیں' جو امراء کے لئے ہو۔ پھر سوچا کہ اہل دلی اس قسم کے تماشوں کے عادی ہو چکے ہیں۔ تیمور کا قتل عام تین دن تین رات تک ہوتا رہا تھا۔ بھلا ہمیں یہ کب خاطر میں لائیں گے۔

شام کو وہی بزرگ آئے۔ ایک [illegible] نظم سنائی [illegible] بالکل نہ آئی) اور

معافی کے خواستگار ہوئے۔ ہم بھی مسجد میں اکیلے بیٹھے بیٹھے تھک چکے تھے۔ مسکرا کر معاف فرمایا اور ازراہ تلطف انہیں بغل گیری سے سرفراز فرمایا۔ وہ فوراً بیہوش ہو گئے۔ جب ہوش آیا تو پسلیوں میں درد کی شکایت کرتے تھے۔ پتا نہیں کیوں؟ شاید ہماری بغل گیری کا نتیجہ ہوا۔ آئندہ محتاط رہیں گے۔ انشاء اللہ۔ باری تعالٰی کارساز ہے۔

○ ہم پر کمبل ڈلوانے کی کوشش

شام کو دریائے جمنا کے کنارے مچھلی پکڑنے کی نیت سے بیٹھے تھے۔ مچھلیاں تھیں کہ جلال شاہی سے قریب نہ پھٹکتی تھیں۔ اندھیرا ہو چلا تھا۔ اچانک ہم نے اور کمبل کا دباؤ محسوس فرمایا۔ سوچا کہ کوئی ہمارا پرستار ہے جو خنکی کا خیال کرتے ہوئے گرم کپڑا لایا ہے۔ چنانچہ خاموش بیٹھے رہے۔ لیکن ہمیں بالکل ڈھانپ دیا گیا۔ ہمارا دم گھٹنے لگا۔ گستاخ آوازیں سنیں تو معلوم ہوا کہ کوئی شرارت ہے۔ ہڑبڑا کر اٹھے اور دونوں لفنگوں کو پکڑ کر بغلوں میں دبایا ہی تھا کہ انہوں نے داعی اجل کو لبیک کہہ کر سعادت دارین پائی۔ نیا ملک ہے' خبردار رہنا چاہیے۔

○ واپسی کا قصد

ایک کباڑیے کی دکان پر پوستین دیکھی۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئے (فرمانبردار خاں کی آنکھوں میں) ہم کبھی پوستین کو دیکھتے تھے اور کبھی اپنے چوڑی دار پاجامے اور جالی دار کرتے کو۔ تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ پوستین ہماری ہی تھی جو غالباً فرمانبردار خاں نے بے مصرف سمجھ کر کباڑی بازار میں بیچ دی تھی۔ لیکن اب اس قدر تنگ ہو چکی تھی کہ کوشش کرنے کے باوجود بھی نہ پہن سکے پہلے سے ہمارا وزن کافی بڑھ گیا

تھا۔ دن بھر طرح طرح کے خیالات دل میں آتے رہے۔ دلی کے قیام نے ہمیں کتنا تبدیل کر دیا ہے؟ ہم موٹے ہو گئے ہیں۔ رات کو خراٹے لیتے ہیں۔ صبح کی چائے اور تمباکو نوشی کے بغیر بستر سے نہیں اٹھتے۔ قیلولہ کی عادت قبیحہ ہمیں شام تک بیزار رکھتی ہے' یہاں کی تیز دھوپ سے ہماری رنگت سنولاتی جا رہی ہے۔ اگرچہ ہندی شاعری میں سانولا سنوریا' کالیا وغیرہ کو پسند کیا گیا ہے۔ تاہم یہ پسندیدگی تسلی بخش نہیں' کیونکہ ہندی شاعری ہے تو عورت کی زبانی لیکن شاعر سارے مرد ہیں اور پھر ہم نے جنوبی ہند کے چند باشندوں کو بھی دیکھ لیا تھا جن کے آباء و اجداد کبھی اچھے بھلے ہوں گے۔ ادھر ملک میں عجب دھماچوکڑی مچی ہوئی ہے۔ ہماری تقریر اور قتل عام سے پبلک دشمن بن گئی ہے۔ ہر روز کہیں بھوک ہڑتال ہو رہی ہے' تو کہیں ستیہ گرہ۔ کمبل ڈالنے کے حادثے نے ہمارا موڈ قطعی طور پر خراب کر دیا۔ چنانچہ سیٹل ہونے کے خیال پر لعنت بھیجی اور کوچ کا مصمم کر لیا۔

○ ہمارا دلی سے تشریف لے جانے کا حال

خدا کے فضل سے زاد راہ کافی تھا کہ راستے میں اخراجات بھی کافی ہوتے ہیں۔ ہم نے ازراہ مروت محمد شاہ کو اجازت دے دی کہ اگر اس کی نظر میں کوئی ایسی چیز ہو' جس کو ہم بطور تحفہ لے جا سکتے ہوں اور غلطی سے یاد نہ رہی ہو تو بیشک ساتھ باندھ دے۔ لوگ دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے اور بار بار کہتے تھے کہ ہمارے بغیر لال قلعہ خالی خالی سا لگے گا۔ یہ حقیقت تھی کہ لال قلعہ ہمیں بھی کافی خالی خالی سا معلوم ہو رہا تھا۔
اسپ نمرود پر سوار ہو کر در و دیوار پر حسرت کی نظر ڈال ہی رہے تھے کہ عین چوراہے میں گھوڑے سے نیچے آ رہے۔ اس بے ایمان گھوڑے کو ہم نے زیادہ منہ چڑھا لیا۔

اسے تعزیری طور پر اہل ہند کو واپس دے دیا اور عزیزی محمد شاہ سلمہ' سے فرمایا کہ اس

انسان ناشناس کو خطاب سے محروم کرکے تانگے میں جتوایا جائے۔

○ کابل میں والیِ کابل سے نجات

والیِ کابل ہماری خدمت میں ملتمس ہوا کہ آپ ہند سے ہمارے لئے جو تحفے لائے ہیں

وہ دیئے جائیں ورنہ مروت سے بعید ہو گا۔ ہم نے سمجھایا کہ یہ چند ہزار اونٹوں پر لدے ہوئے تحائف جو وہ دیکھ رہا ہے' ہمارے پیارے عزیز محمد شاہ کی نشانیاں ہیں' جن سے ہم مرتے دم تک جدا نہیں ہو سکتے۔ البتہ کچھ پوستین' دنبے یا گلقند درکار ہو تو وہ دے سکتے ہیں۔ والیِ کابل راضی نہ ہوتا تھا۔ عجب ہونق آدمی ہے۔ دنیاوی دولت کی ہوس اس کو بہت ہے۔ بہتیرا سمجھایا کہ آدمی کو کدا سے لو لگانی چاہیے' دنیا آنی جانی ہے۔ شیخ بوٹا شجر پوری کی مثال پیش کی کہ دنیا داری سے مستثنیٰ ہو کر تارک الدنیا بنے ہوئے ہیں۔ اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ بلکہ گستاخانہ بولا۔ آپ خود تارک الدنیا کیوں نہیں ہو جاتے؟ بہت کہا کہ ہمارے حالات مختلف ہیں۔ وقت آنے پر تارک الدنیا ہو کر بھی دکھا دیں گے۔

جب نہ مانا تو ہم نے ٹالنے کو فرمایا کہ تو خود سیاحت پر کیوں نہیں جاتا؟ آدمی سیانا تھا' جان گیا کہ پچھلے دو تین سو سال کی دولت تو ہم سمیٹ چکے ہیں' اب وہ ہند گیا تو کرکری ہو گی۔ کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ آخر ازراہ پرورش اس کو پانچ شتر تازی' چھ اسپ باسی' دو سو مقامی مینڈھے اور دنبے' دو من گلقند' لال قلعے کا کچھ بوسیدہ فرنیچر' نقرئی پنجرے میں بند ایک ہندی کوا دے کر سرفراز کیا اور اس حریص لیموں نچوڑ سے رہائی پائی۔

ختم شد

○ ہمارا خلد میں نزول

جس بات کا دیر سے خدشہ تھا آج وہی ہو کر رہی۔ ہمیں چند نابکاروں نے تنہا پا کر گھیر لیا اور ہمارا کام تمام کر دیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ ہند سے ایران واپس پہنچ کر ہم اس نئی سیاحت پر سوئے عراق نکل کھڑے ہوئے تھے۔ ہمیں اپنی ناگہاں جوانا مرگ پر بے حد قلق ہے کیونکہ اس میں مشیت ایزی ہرگز نہ تھی۔ اگر ہم فرمانبردار خان کا کہا مان لیتے تو اتنی رات گئے تنہا باہر نہ نکلتے تو یہ دن دیکھنا نہ پڑتا۔ اب صبر کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ "عزیزو اب اللہ ہی اللہ ہے"

دیکھئے آنجہانی بنتے ہیں یا خلد آشیانی یا کچھ اور۔ ویسے ہمارے متعلق یہاں طرح طرح کی مایوس کن افواہیں اڑ رہی ہیں۔

○○○

• یہ ریڈیو روم تھا

"کہاں سے آنا ہوا؟"
"سرزمین پاک سکاٹ لینڈ سے آ رہا ہوں' جہاں کے باشندوں کی دریا دلی کے قصے دنیا بھر میں مشہور ہیں۔"

"کیسے آمد ہوئی؟"
"بذریعہ ریل آیا۔ ارادہ جہاز سے آنے کا تھا لیکن جہاز نکل چکا تھا۔ دراصل یہ آمد نہیں آورد تھی۔"
"ویسے روم کس سلسلے میں آنا ہوا؟"
"مثنوی مولانا روم سے متاثر ہوا۔ ادھر داناؤں سے سن رکھا تھا کہ سب سڑکیں روم پہنچتی ہیں۔ چنانچہ ایک سڑک اختیار کی اور اپنے تئیں روم میں پایا۔ میں خود آیا نہیں لایا گیا ہوں۔"
"کب تک قیام ہو گا؟"
"ارادہ تو چند روز ٹھہرنے کا تھا' لیکن اگر زیادہ تنگ کیا گیا تو شاید پہلے ہی ہجرت کر جاؤں۔"
"روم میں کیا کچھ کیا؟"
"وہی کیا جو رومن کرتے ہیں۔ لیکن برا ہو اطالوی زبان کا' میں اطالیہ آ چکا۔ لیکن زبان اب تک نہیں آئی۔ کچھ کام رومنوں کے اصرار پر کرنے پڑے۔"
"مثلاً؟"
"مثلاً ایک پارکر 51 ایک ہزار لیرے میں خریدنا پڑا' حالانکہ اب 52ء ہے۔"
"یہ تو بہت سستا ملا۔ ہزار لیرے یعنی تقریباً گیارہ شلنگ۔"
"مگر وہ قلم صرف دکھاوے کا ہے۔ لکھنے لکھانے سے منکر ہے۔"
"کچھ خرید و فروخت کی؟"

"خرید تو کی' لیکن شکر ہے کہ ابھی فروخت تک نوبت نہیں پہنچی۔"
"آپ کو کرنسی کی سمجھ آ گئی؟ ایک پونڈ کے سترہ سو لیرے ہوتے ہیں۔"

"مجھے تو یہ پتا ہے کہ چند ہی منٹوں میں نوٹوں کے لیرے لیرے ہو جاتے ہیں۔"
"روم میں آپ نے کیا کچھ دیکھا؟"
"وہی دیکھا جو گائیڈ نے دکھای۔ گائیڈ جو کچھ دکھائے دیکھنا اور پسند کرنا پڑتا ہے۔ یوں بھی ہوا کہ گائیڈ داہنی طرف کے گن گا رہا تھا' لوگ بائیں طرف دیکھ رہے ہیں اور سامنے دیکھ رہا ہوں۔ نہ جانے ابھی اور کیا کچھ دیکھنا ہے۔"
"آپ کو آرٹ کا شوق تو ہو گا؟"
"تھا لیکن یہ معلوم کرکے بڑی مسرت ہوی کہ مائیکل اینجلو اور ڈاونچی کا انتقال ہو چکا ہے۔"
"یہ کیوں؟"
"معلوم ہوتا ہے کہ عرصہ پہلے ساری اٹلی میں صرف یہی دو حضرات رہتے تھے۔ ہر شہر' ہر عمارت اور ملک کا ہر حصہ انہی نے ترتیب دیا۔ فلارنس سارے کا سارا انہوں نے بنایا ہے۔ روم کا تہائی حصہ' میلان کا نصف حصہ اور بقیہ شہر ان کے شاگردوں نے بنائے ہیں۔ جن شہروں تک یہ نہیں پہنچ سکے' انہیں بھی تعمیر کرنے کا قصد رکھتے ہیں' لیکن افسوس کہ زندگی نے وفا نہ کی۔"
"کلیسائے پطرس دیکھا؟"
"پطرس صاحب آج کل روم میں ہیں کیا؟"
"جی نہیں' سینٹ پیٹر کا گرجا۔"
"اچھا وہ! تو انگریزی میں بتایئے نا۔ وہ تو آج صبح دیکھا تھا۔ بڑی اونچی عمارت ہے۔ وہیں کسی زمانے میں مذہبی دیوانوں نے گنبد سے چھلانگ لگا کر خودکشی کا فیشن شروع کیا تھا۔ میرے خیال میں پہلے ان عقیدت مندوں نے بخشش کی دعائیں مانگی ہوں گی۔ جب خاطر خواہ جواب نہ ملا' تو سوچا ہو گا۔ کہ اب انتظار فضول ہے اور وہ اونچے اونچے

جنگلے بھی دیکھے جو اس رسم کو روکنے کے لیے اوپر لگائے گئے ہیں۔ یعنی کیسی دنیا ہے کہ انسان اطمینان سے خودکشی بھی نہیں کر سکتا۔ اتنے اونچے جنگلے نہیں ہونے چاہئیں۔

زیادہ سے زیادہ یہ کرتے کہ نوٹس لگا دیتے۔ کہ یہاں خودکشی کرنا منع ہے۔"

"ہوں' اتوار اور کہاں کہاں کی سیر کی؟"

"چڑیا گھر دیکھا' جہاں چڑیا گھر کے علاوہ دیگر پرند تھے۔ پرندوں کے علاوہ جانور بھی تھے۔ اور یہ سب انسانوں کو بڑے غور سے دیکھ رہے تھے۔ واٹیکن کے میوزیم میں ورجل اور دانتے کے مسودات دیکھے' جہاں غالباً کاتب نقل کرکے حفاظت سے واپس رکھ گیا تھا۔ وہاں کولمبس کا بنایا ہوا نقشہ بھی تھا' جس میں یورپ تو ٹھیک طرح دکھایا ہے لیکن باقی دنیا کا حدود اربعہ کچھ عجب ہے۔ دراصل کولمبس کا عقیدہ تھا کہ جب تک انسان ایک ایک ملک کو خود دریافت نہ کر لے' نقشہ بنانا فضول ہے۔"

"اور مائیکل اینجلو کا تراشا ہوا حضرت موسیٰ کا مجسمہ؟"

"خوب مجسمہ ہے' گائیڈ کا وہ فقرہ نہیں بھولا کہ اینجلو نے مجسمہ مکمل کرکے ہتھوڑی سے گھٹنے پر ضرب لگائی۔ مجسمے کے گھٹنے پر۔ اور نعرہ لگایا کہ بولتے کیوں نہیں تم ہی تو مکمل ترین موسیٰ ہو۔"

"پھر کیا ہوا؟"

"ہونا کیا تھا' اینجلو کی اس حرکت سے پتھر پر خواہ مخواہ نشان پڑ گیا۔"

"سیزروں کے روم کی سیر کی؟"

"جی ہاں پرانا روم دیکھا۔ وہ مقام جہاں سیزر کو قتل کیا گیا۔ جہاں مارک انطنی نے اپنی شہرۂ آفاق تقریر کی جسے شیکسپیئر نے سن کر وہیں حرف بحرف نقل کر لیا۔ کولوزیم جو Colossal ہے' جہاں انسان اور درندے آپس میں لڑا کرتے تھے' ویسے انسانوں اور حیوانوں میں لڑائی اب تک جاری ہے۔ سنا ہے وہاں ایک قیدی نے شیر کے کان میں کچھ کہہ کر اپنی جان بچا لی تھی۔"

"اس نے کیا کہا تھا؟"

"یہی کہ اگر آپ نے مجھے کھا لیا تو ڈنر کے بعد خواتین و حضرات کے سامنے آپ کو تقریر کرنی پڑے گی۔"

"Marcus Aurelius کا مجسمہ تو ضرور دیکھا ہو گا؟"

"جی ہاں! آپ نے "تاثرات مارکس آری لینس" پڑھی ہو گی۔ نہایت لاجواب کتاب ہے۔ سنا ہے کہ آپ بڑے متقی' پرہیز گار' خدا ترس' فلاسفر اور رومن بادشاہ تھے۔ جب فرصت ملتی چند عیسائیوں کو شیروں کے سامنے ڈال کر کتاب لکھنی شروع کر دیتے۔ جب تحریریں بے جان اور پھیکی معلوم ہونے لگتیں' تو چند اور عیسائیوں کو چند اور شیروں کے سامنے پھنکوا کر جلدی سے پھر لکھنا شروع کر دیتے۔

"پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ"

اور یہ کہ کولوزیم کے سامنے نیرو کے محل کے کھنڈرات ہیں۔ گائیڈ نے بڑے وثوق سے بتایا کہ کہ روم کو دیا سلای دکھا کر وہ بھلا آدمی وائل بجا رہا تھا۔ گائیڈ کے لہجے سے تو یہی معلوم ہوتا تھا کہ وہ بھی موقع پر موجود تھا۔ حالانکہ وائلن کا اس زمانے میں نام و نشان تک نہ تھا۔"

"نہیں صاحب! یہ بات تو ضرب المثل بن چکی ہے۔ یہ کیسے غلط ہو سکتی ہے؟"

"تو پھر ممکن ہے کہ بنسری بجا رہا ہو یا نفیری مگر وائلن ہرگز نہیں بجا سکتا۔"

"آپ نے برنینی کا وہ چشمہ دیکھا' جہاں لوگ پانی میں سک پھینک کر دعا مانگتے ہیں؟"

"جی ہاں۔"

"آپ نے کیا مانگا؟"

"میں نے پانی میں سکہ پھینک کر کہا' کاش کہ میں یہاں پہلے آیا ہوتا۔"

"یہاں کی آب و ہوا کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟"

"آب تو یہاں بوتلوں میں ملتا ہے' جو سوڈے واٹر سے کسی طرح کم نہیں۔ ہوا میں سکون اور ٹھہراؤ ہے۔ اس لئے "چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی" پر عمل پیرا ہونا سخت مشکل ہے۔"

"اور غذا؟"

"غذا میں غذائیت ضرورت سے زیادہ ہے اور باشندے ماشاء اللہ خوش خوراک ہیں۔"

"روم تک سفر کیسا رہا' بہت کچھ دیکھا ہو گا؟"

"راستے میں نظارے ایسے سہانے تھے کہ کچھ اور دیکھنے کی فرصت ہی نہ ملی۔ PISA کے جھکے ہوئے مینار کو دیکھ کر افسوس تو ہوا مگر اپنی معلومات میں اضافہ کیا۔ کشش ثقل کے متعلق جو شبہات تھے وہ اور قوی ہو گئے۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ جیسے مینار اب گرا۔ اب گرا۔ دن بھر میں وہاں رہا' لیکن مینار گرا نہیں۔"

"ماہرین نے مینار پر کتابیں لکھی ہیں۔"

"ماہرین تو ہمیشہ بتنگڑ میں بات کرتے ہیں۔ میرا خیال تو یہی ہے کہ اس کے معمار ناتجربہ کار تھے۔ کسی نے دل لگا کر کام نہیں کیا۔ ٹھیکیدار نے پتھر اور مسالہ بھی گھٹیا کوالٹی کا لگایا۔ ورنہ دلی میں قطب صاحب کی لاٹھ اس سے کہیں بلند ہے اور بالکل جوں کی توں کھڑی ہیں' کشش ثقل بھی اس کا کچھ نہ بگاڑ سکی۔"

"اٹلی آنے سے پہلے آپ نے کہاں کہاں کی سیر کی؟"

"سوئٹزرلینڈ اور فرانس کی اور NICE میں "پھولوں کی جنگ" کے مشہور تہوار میں شمولیت کی۔ لوگوں نے پھول مار مار کر ایک دوسرے کا بھرکس نکال دیا۔ یہ حالت ہوی کہ اگلے دن سڑکوں پر چلنا محال تھا۔"

"اور مانٹی کارلو؟"

"پیشتر اس کے کہ آپ وہاں کے قمار خانے کے متعلق پوچھیں' میں یہ بتا دوں کہ میں وہاں صرف عبرت حاصل کرنے گیا تھا۔"

"پیرس کیسا لگا؟"

"پتا نہیں پیرس کے مضافات میں مجھے گوجرانوالہ اور خانپور کیوں یاد آئے۔ لوگ تہمد نما چیزیں باندھے موڑھوں پر بیٹھے حقہ سا پی رہے تھے۔ لیکن پیرس بہت مہنگا ہے۔ ایک تو وہاں بخشیش بہت مانگتے ہیں [illegible] ہیں' اور تب تک

ٹکٹکی باندھے مسکراتے رہتے ہیں' جب تک آپ کم از کم تین سو فرانک نہ دے دیں' ورنہ تعاقب کرتے ہیں۔ صحیح معنوں میں تعاقب کرنا ایک فرانسیسی ہی جانتا ہے۔ راستہ پوچھو تب بخشیش' کسی چیز کی تعریف کرو تب بخشیش' یہاں تک کہ صبح بخیر یا شب بخیر کہتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہے۔"

"فرانس' سوئٹزرلینڈ اور اٹلی میں سے آپ کو کون سا ملک پسند آیا؟"

"ان تینوں میں سے مجھے سپین پسند ہے۔"

"وہاں کیا ہے؟"

"سپین ہی وہ ملک ہے جہاں گھر یاد نہیں رہتا۔ جہاں دوپہر کو کھانے کو ال مرضا کہتے ہیں جو غالباً ال مرغا سے نکلا ہے۔ سلاد کو ال سلادو' گیراج کو ال گیراجو اور بھینس کو ال بفیلو۔ جہاں ال فانسو نام کے بادشاہ گزرے ہیں۔ جہاں مغربی کھانوں کے ساتھ پلاؤ بھی کھایا جاتا ہے اور بازاروں میں حلوہ کھلم کھلا بکتا ہے۔ جہاں لوگ قیلولہ کرتے ہیں۔ گھروں میں زنانہ اور مردانہ علیحدہ علیحدہ ہے۔ جہاں کی موسیقی مشرقی ہے۔ جہاں خانہ بدوش گٹار کی دھن پر والہانہ رقص کرتے ہیں۔ جہاں بال اور آنکھیں سیاہ اور دل سفید ہیں' اگرچہ رنگت گندمی ہے۔ اور شہروں کے نام جانے پہچانے سے ہیں۔ بیاضہ' الکنیز' قرطبہ' طلیطلہ' القنطرہ' غرناطہ' ظفرہ اور اشبیلیہ۔ جہاں رات گئے لوگ ہار پہن کر پیچیدہ گلیوں میں سیر کرتے ہیں۔ اور محبوب کے کوچے میں بلند آواز سے اشعار بھی پڑھ ڈالتے ہیں اور..

آج بھی اس دیس میں عام ہے چشم غزال
اور نگاہوں کے تیر آج بھی ہیں دل نشیں

"ہے ہے' یہ آپ نے کیا یاد دلا دیا۔ کاش کہ ہم روم میں سپین کی باتیں نہ کریں۔"

"اب کیا پروگرام ہے؟"

"ابھی تو باہر نکل کر ایک سگریٹ پیوں گا۔"

"میرا مطلب ہے روم سے کہاں جایئے گا؟"

"کیٹس اور شیلے کے مزاروں پر فاتحہ خوانی کے بعد یہ دریافت کرکے کہ روم کتنے دنوں میں بنا تھا' نیپلز ایک اطالوی دوست سے ملنے جاؤں گا۔ وہ جنگ کے دوران میں قیدی تھا اور میرا مریض تھا۔ مریض اور طبیب رہ چکنے کے بعد باوجود ہمارے تعلقات ہمیشہ خوشگوار رہے۔"

"آپ کو کئی دلچسپ ہم سفر بھی تو ملے ہوں گے؟"

"جی ہاں جنیوا میں دو اطالوی لڑکیاں ملیں' دو فرانسیسی جن کا تعاقب کر رہے تھے۔ مانٹی کارلو میں دو فرانسیسی لڑکیوں سے ملاقات ہوئی جو دو اطالوی لڑکوں کا تعاقب کر رہی تھیں۔ اب میں کچھ ٭ ایسے لوگوں سے ملنا چاہتا ہوں جو ایک دوسرے کا تعاقب نہ کر رہے ہوں۔ اگر اجازت ہو تو ایک سوال پوچھوں؟"

"ارشاد"

"ابھی اور کتنی دیر ہے؟"

"تقریباً دو منٹ۔"

"میرے خیال میں اب ایک فلمی گانا ہو جائے۔ کوئی نیا ریکارڈ ہے' آپ کے پاس؟"

"جی ہاں۔ "تیری لونگ دا پیا لشکارا" پچھلے مہینے وطن سے آیا ہے۔"

"تو پھر بسم اللہ' شائقین کو زیادہ مت ترسایئے۔"

"بہت اچھا۔ خدا حافظ"

"فی امان اللہ"

○○○

• کلید کامیابی

دوم

ہم لوگ خوش قسمت ہیں کیونکہ ایک حیرت انگیز دور سے گزر رہے ہیں۔ آج تک انسان کو ترقی کرنے کے اتنے موقعے کبھی میسر نہیں ہوئے' پرانے دور میں ہر ایک کو ہر ہنر خود سیکھنا پڑتا تھا لیکن آج کل ہر شخص دوسروں کی مدد پر خواہ مخواہ تلا ہوا ہے اور بلا وجہ دوسروں کو شاہراہ کامیابی پر گامزن دیکھنا چاہتا ہے۔
اس موضوع پر بیشمار کتابیں موجود ہیں۔ اگر آپ کی مالی حالت مخدوش ہے تو فوراً "لاکھوں کماؤ" خرید لیجئے۔ اگر مقدمہ بازی میں مشغول ہیں تو "رہنمائے قانون" لے آیئے۔ اگر بیمار ہیں تو "گھر کا طبیب" پڑھنے سے شفا یقینی ہے۔ اسی طرح "کامیاب زندگی" "کامیاب مرغی خانہ" "ریڈیو کی کتاب" "کلید کامیابی" "کلید مویشیاں" اور دوسری لاتعداد کتابیں بنی نوع انسان کی جو خدمت کر رہی ہیں' اس سے ہم واقف ہیں۔
مصنف ان کتابوں سے اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے ازراہ تشکر "کلید کامیابی" حصہ دوم' لکھنے کا ارادہ کیا تا کہ وہ چند نکتے جو اس افادی ادب میں پہلے شامل نہ ہو سکے' اب شریک کر لیے جائیں۔

○ عظمت کا راز

تاریخ دیکھیے' دنیا کے عظیم ترین انسان غمگین رہتے تھے۔ کارلائل کا ہاضمہ خراب رہتا تھا۔ سیزر کو مرگی کے دورے پڑتے تھے۔ روس کا مشہور IVAN نیم پاگل تھا۔ خودکشی کی کوشش کرنا کلائیو کا محبوب مشغلہ تھا۔ نپولین کو غم یہ تھا کہ اس کا قد چھوٹا

ہے۔ یورپ کی کلاسیکی موسیقی بیمار اور بیزار فنکاروں کی مرہون منت ہے۔ دنیا کا عظیم ادب مغموم موڈ کی تخلیق ہے اور اکثر جیلوں میں لکھا گیا ہے۔ لہٰذا غمگین ہوئے بغیر کوئی عظیم کام کرنا ناممکن ہے۔ غم ہی عظمت کا راز ہے۔ یا غم آسرا تیرا۔

تو پھر آج ہی سے رنجیدہ رہنا شروع کر دیجئے۔ بہت تھوڑے ملک ایسے ہیں جہاں غمگین ہونے کے اتنے موقعے میسر ہیں' جتنے ہمارے ہاں۔ ابھی چند اشعار پڑھئے' ہماری شاعری ماشاء اللہ حزن و الم سے بھرپور ہے۔ سوچئے کہ زندگی پیاز کی طرح ہے' چھیلتے رہیے اندر سے کچھ بھی برآمد نہیں ہوتا۔ رشتہ داروں اور ان کے طعنوں کو یاد کیجئے۔ پڑوسی عنقریب آپ کے متعلق نئی افواہیں اڑانے والے ہیں۔ جن لوگوں نے آپ سے قرض لیا تھا' ایک پائی بھی ادا نہیں کی (ویسے جو قرض آپ نے لیا ہے وہ بھی ادا نہیں ہوا) زندگی کتنی مختصر ہے؟ مرنے کے بعد کیا ہو گا؟ شام کی گاڑی سے کوئی پندرہ بیس رشتہ دار بغیر اطلاع دیئے آ جائیں گے۔ ان کے لئے بستروں کا انتظام کرنا ہو گا۔ یہ چشتی صاحب اپنے آپ کو کیا سمجھتے ہیں؟ پچھلے ہفتے قطب الدین صاحب نے کھانے پر سارے شہر کو مدعو کیا' سوائے آپ کے۔ وغیرہ وغیرہ

اب آپ غمگین ہیں۔ آہیں بھریئے۔ ماتھے پر شکنیں پیدا کیجئے۔ ہر ایک سے لڑیئے۔ عنقریب آپ اس برتری سے آشنا ہوں گے جو سدا بیزار رہنے والوں کا ہی حصہ ہے۔ وہ احساس جو انسان کو نطشے کا فوق الانسان بناتا ہے۔ اب آپ شاید کوئی عظیم کام کرنے والے ہیں۔

عظیم کام کر چکنے کے بعد اگر موڈ بدلنا منظور ہو تو فوراً بازار سے "مسرور ہو" "مسکراتے رہیے" یا ایسی ہی کوئی کتاب لے کر پڑھئے اور خوش ہو جایئے۔

○ اپنے آپ کو پہچانو

حکماء کا اصرار ہے کہ اپنے آپ کو پہچانو۔ لیکن تجربے سے ثابت ہوا ہے کہ اپنے آپ کو کبھی مت پہچانو‘ ورنہ سخت مایوسی ہو گی۔ بلکہ ہو سکے تو دوسروں کو بھی مت پہچانو۔ ایمرسن فرماتے ہیں کہ ”انسان جو کچھ سوچتا ہے‘ وہی بنتا ہے۔“

کچھ بننا کس قدر آسان ہے‘ کچھ سوچنا شروع کر دو اور بن جاؤ۔ اگر نہ بن سکو تو ایمرسن صاحب سے پوچھو۔

○ خواب اور عمل

اپنے خوابوں کو عملی جامہ پہنایئے۔ یہ جامہ جتنا جلد پہنایا گیا‘ اتنا ہی بہتر ہو گا۔ ان لوگوں سے بھی مشورہ کیجئے جو اس قسم کے جامے اکثر پہناتے رہتے ہیں۔

○ حافظہ تیز کرنا

اگر آپ کو باتیں بھول جاتی ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ کا حافظہ کمزور ہے۔ فقط آپ کو باتیں یاد نہیں رہتیں۔ علاج بہت آسان ہے۔ آئندہ ساری باتیں یاد رکھنے کی کوشش ہی مت کیجئے۔ آپ دیکھیں گے کہ کچھ باتیں آپ کو ضرور یاد رہ جائیں گے۔

بہت سے لوگ بار بار کہا کرتے ہیں۔ ہائے یہ میں نے پہلے کیوں نہیں سوچا؟ اس سے بچنے کی ترکیب یہ ہے کہ ہمیشہ پہلے سے سوچ کر رکھئے اور یا پھر ایسے لوگوں سے دور رہیے‘ جو ایسے فقرے کہا کرتے ہیں۔ دانشمندوں نے مشاہدہ تیز کرنے کے طریقے بتائے ہیں کہ پہلے بھرتی سے کچھ دیکھئے‘ پھر فہرست بنایئے کہ ابھی آپ نے کیا کیا دیکھا تھا۔ اس طرح حافظے کی ٹریننگ ہو جائے گی اور آپ حافظ بنتے جائیں گے۔ لہٰذا اگر اور کوئی کام نہ ہو تو آج سے [illegible] چیزوں کی فہرست بنایئے

اور فہرست کو چیزوں سے ملایا کیجئے۔ بڑی فرحت حاصل ہو گی۔
مشہور فلسفی شوپنہار سیر پر جاتے وقت اپنی چھڑی سے درختوں کو چھوا کرتا تھا۔ ایک روز اسے یاد آیا کہ پل کے پاس جو لمبا سا درخت ہے' اسے نہیں چھوا۔ وہ مرد عاقل ایک میل واپس گیا اور جب تک درخت نہ چھو لیا' اسے سکون قلب نہ حاصل ہوا۔
شوپنہار کے نقش قدم پر چلئے۔ اس سے آپ کا مشاہدہ اس قدر تیز ہو گا کہ آپ اور سب حیران رہ جائیں گے۔

○ خوف سے مقابلہ

دل ہی دل میں خوف سے جنگ کرنا بے سود ہے۔ کیونکہ ڈرنے کی ٹریننگ ہمیں بچپن سے ملتی ہے اور شروع ہی سے ہیں بھوت پریت' باؤ اور دیگر چیزوں سے ڈرایا جاتا ہے۔
اگر آپ کو تاریکی سے ڈر لگتا ہے تو تاریکی میں جائیے ہی مت۔ اگر اندھیرا ہو جائے تو جلدی سے ڈر کر روشنی کی طرف چلے آیئے۔ آہستہ آہستہ آپ کو عادت پڑ جائے گی اور خوف کھانا پرانی عادت ہو جائے گی۔
تنہائی سے خوف آتا ہو تو لوگوں سے ملتے رہا کیجئے۔ لیکن ایک وقت میں صرف ایک چیز سے ڈریئے' ورنہ یہ معلوم نہ ہو سکے گا کہ اس وقت آپ دراصل کس چیز سے خوفزدہ ہیں۔

○ وقت کی پابندی

تجربہ یہی کہتا بتاتا ہے کہ اگر آپ وقت پر پہنچ جائیں تو ہمیشہ دوسروں کا انتظار کرنا پڑتا ہے۔ دوسرے اکثر دیر سے آتے ہیں۔ چنانچہ خود بھی ذرا دیر سے جایئے۔ اگر آپ وقت پر پہنچے تو دوسرے یہی سمجھیں گے کہ آپ کی گھڑی آگے ہے۔

○ وہم کا علاج

اگر آپ کو یونہی وہم سا ہو گیا ہے کہ آپ تندرست ہیں تو کسی طبیب سے ملئے۔ یہ وہم فوراً دور ہو جائے گا۔ لیکن اگر آپ کسی وہمی بیماری میں مبتلا ہیں تو ہر روز اپنے آپ سے کہئے۔ میری صحت اچھی ہو رہی ہے۔ میں تندرست ہو رہا ہوں۔

احساس کمتری ہو تو بار بار مندرجہ ذیل فقرے کہے جائیں۔

میں قابل ہوں' مجھ میں کوئی خامی نہیں۔ جو کچھ میں نے اپنے متعلق سنا' سب جھوٹ ہے۔ میں بہت بڑا آدمی ہوں۔ (یہ فقرے زور زور سے کہے جائیں تا کہ پڑوسی بھی سن لیں)

○ بے خوابی سے نجات

اگر نیند نہ آتی ہو تو سونے کی کوشش مت کیجئے۔ بلکہ بڑے انہماک سے فلاسفی کی کسی موٹی سی کتاب کا مطالعہ شروع کر دیجئے۔ فوراً نیند آ جائے گی۔ مجرب نسخہ ہے۔ ریاضی کی کتاب کا مطالعہ بھی مفید ہے۔

○ ہمیشہ جوان رہنے کا راز

اول تو یہ سوچنا ہی غلط ہے کہ جوان رہنا کوئی بہت بڑی خوبی ہے۔ اس عمر کے نقصانات فوائد سے کہیں زیادہ ہیں۔ ملاحظہ ہو وہ شعر

خیر سے موسم شباب کٹا
چلو اچھا ہوا عذاب کٹا

تاہم اگر آپ نے ہمیشہ جوان رہنے کا فیصلہ کر لیا ہے' تو بس خواہ مخواہ یقین کر لیجئے کہ آپ سدا جوان رہیں گے۔ آپ کے ہم عمر بیشک بوڑھے ہو جائیں۔ لیکن آپ پر کوئی اثر نہ ہو گا۔ جوانوں کی سی حرکتیں کیجئے۔ اصلی نوجوانوں میں اٹھئے بیٹھئے۔ اپنے ہم عمر بوڑھوں پر پھبتیاں کسئے۔ خضاب کا استعمال جاری رکھئے اور حکیموں کے اشتہاروں کا بغور مطالعہ کیجئے۔

- دلیر بننے کا طریقہ

دوسرے تیسرے روز چڑیا گھر جا کر شیر اور دیگر جانوروں سے آنکھیں ملایئے (لیکن پنجرے کے زیادہ قریب مت جایئے) بندوق خرید کر انگیٹھی پر رکھ لیجئے اور لوگوں کو سنایئے کہ کس طرح آپ نے پچھلے مہینے ایک چیتا یا ریچھ (یا دونوں) مارے تھے۔ بار بار سنا کر آپ خود یقین کرنے لگیں گے کہ واقعی آپ نے کچھ مارا تھا۔

- بیروزگاری سے بچئے

اگر آپ بیروزگار ہیں تو فوراً ایمپلائمنٹ ایکسچنج میں درخواست دے کر کسی کھاتے پیتے رشتہ دار کے ہاں انتظار کیجئے اور یہ یاد رکھئے کہ انتظار زندگی کا بہترین حصہ ہے۔

- ایک خانگی مشورہ

اگر آپ بیوی ہیں اور آپ کا خاوند تھکا ماندہ دفتر سے آتا ہے۔ آپ مسکراہٹ سے اس کا استقبال کرتی ہیں اور اچھی اچھی باتیں سناتی ہیں' تو شام کو وہ ضرور کہیں ادھر ادھر چلا جائے گا۔ لیکن اگر آتے ہی آپ اسے بے بھاؤ کی سنا دیں' بات بات پر لڑیں اور پریشان کن تذکرے چھیڑ دیں تو وہ منانے کی کوشش کرے گا اور شام گھر پر گزارے گا۔ اگر کہیں باہر گیا تو ساتھ لے جائے گا۔ (مگر یہ عمل بار بار نہ دہرایا جائے' ورنہ کہیں شوہر موصوف واپس گھر کا رخ ہی نہ کرے)

○ ایک کہانی

یا تو لوگ تقدیر کو کوستے ہیں یا تدبیر کو۔ یہ مسئلہ بہت نازک ہے۔ مشہور ہے کہ پہاڑوں میں پارس پتھر ہوتا ہے۔ جو چیز اسے چھو جائے سونا بن جاتی ہے۔
ایک شخص نے چھ مہینے کی چھٹی بغیر تنخواہ لے لی اور قسمت آزمائی کرنے نیپال پہنچا۔ کرائے کے جانوروں کے پاؤں میں زنجیریں باندھیں کہ شاید کوئی زنجیر پاس پتھر سے چھو جائے۔ ہر وقت انہیں جنگلوں میں لیے لیے پھرتا۔ دن گزرتے گئے اور کچھ نہ بنا۔ آخر چھٹی ختم ہوئی۔ جانور اور زنجیریں لوٹا کر قسمت کو برا بھلا کہہ رہا تھا کہ جوتا اتارتے معلوم ہوا کہ چند میخیں سونے کی بن چکی ہیں۔ سنار کے پاس گیا' اس نے میخیں تول کر قیمت بتائی۔ یہ پورے چھ مہینے کی تنخواہ تھی۔
اس سے نتائج خود نکالیے لیکن تقدیر اور تدبیر پر لعنت ملامت نہ کیجئے اور قسمت آزمائی کے لئے پہاڑوں کی طرف مت جائیے۔

○ گفتگو کا آرٹ

جو کچھ کہنے کا ارادہ ہو ضرور کہئے۔ دوران گفتگو خاموش رہنے کی صرف ایک وجہ ہونی

چاہیے' وہ یہ کہ آپ کے پاس کہنے کو کچھ نہیں ہے۔ ورنہ جتنی دیر جی چاہے باتیں کیجئے۔ اگر کسی اور نے بولنا شروع کر دیا' تو موقع ہاتھ سے نکل جائے گا اور کوئی دوسرا آپ کو بور کرنے لگے گا (بور وہ شخص ہے جو اس وقت بولتا چلا جائے' جب آپ بولنا چاہتے ہوں)

چنانچہ جب بولتے بولتے سانس لینے کے لیے رکیں تو ہاتھ کے اشارے سے واضح کر دیں کہ ابھی بات ختم نہیں ہوئی یا قطع کلامی معاف کہہ کر پھر سے شروع کر دیجئے۔ اگر کوئی دوسرا اپنی طویل گفتگو ختم نہیں کر رہا' تو بیشک جمائیاں لیجیے' کھانسئے' بار بار گھڑی دیکھیے' "ابھی آیا" کہہ کر باہر چلے جایئے یا وہیں سو جایئے۔

یہ بالکل غلط ہے کہ آپ لگاتار بول کر بحث نہیں جیت سکتے۔ اگر آپ ہار گئے تو مخالف کو آپ کی ذہانت پر شبہ ہو جائے گا۔ مجلسی تکلفات بہتر ہیں یا اپنی ذہانت پر شبہ کروانا؟ البتہ لڑیئے مت' کیونکہ اس سے بحث میں خلل آ سکتا ہے۔

کوئی غلطی سر زد ہو جائے تو اسے کبھی مت مانئے۔ لوگ ٹوکیں' تو الٹے سیدھے دلائل بلند آواز میں پیش کرکے انہیں خاموش کرا دیجئے' ورنہ وہ خواہ مخواہ سر پر چڑھ جائیں گے۔ دوران گفتگو میں لفظ "آپ" کا استعمال دو یا تین مرتبہ سے زیادہ نہیں ہونا چاہیے۔ اصل چیز "میں" ہے۔ اگر آپ نے اپنے متعلق نہ کہا' تو دوسرے اپنے متعلق کہنے لگیں گے۔

تعریفی جملوں کے استعمال سے پرہیز کیجئے۔ کبھی کسی کی تعریف مت کیجئے' ورنہ سننے والے کو شبہ ہو جائے گا کہ آپ اسے کسی کام کے لئے کہنا چاہتے ہیں۔ اگر کسی شخص سے پوچھنا مطلوب ہو' جسے وہ چھپا رہا ہو تو بار بار اس کی بات کاٹ کر اسے چڑا دیجئے۔ وکیل اسی طرح مقدمہ جیتتے ہیں۔

- دوسروں کو متاثر کرنا

اگر آپ ہر شخص سے اچھی طرح پیش آئے۔ ہاتھ دبا کر مصافحہ کیا' قریب بیٹھے اور گرمجوشی سے باتیں کیں تو نتائج نہایت پریشان کن ہو سکتے ہیں۔ وہ خواہ مخواہ متاثر ہو جائے گا اور نہ صرف دوبارہ ملنا چاہے گا بلکہ دوسروں سے تعارف کرا دے گا۔ یہ تیسروں سے ملائیں گے اور وہ اوروں سے۔ چنانچہ اتنے ملاقاتی اور واقف کار اکٹھے ہو جائیں گے کہ آپ چھپتے پھریں گے۔

ممکن ہے کہ لوگ متاثر ہو کر آپ کو بھی متاثر کرنا چاہیں۔ وہ بلا ضرورت بغل گیر ہوں گے۔ ہاتھ دبائیں گے اور قریب بیٹھنے کی کوشش کریں گے۔

لٰہذا کسی کو متاثر کرنے کی کوشش مت کیجئے۔ بالفرض اگر آپ کسی کو متاثر کر رہے ہوں' تو خیال رکھئے کہ آپ اور اس شخص کے درمیان کم از کم تین گز کا فاصلہ ہو' ورنہ وہ متاثر ہوتے ہی آپ سے بغل گیر ہونے کی کوشش کریں گے۔ (ہو سکتا ہے کہ کہیں آپ بھی اس سے متاثر نہ ہو جائیں۔ زندگی پہلے ہی کافی پیچیدہ ہے)

کبھی مت کہئے کہ "آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔" بلکہ اس سے پوچھئے کہ کہیں وہ تو آپ سے مل کر خوش نہیں ہو رہا۔ اگر یہ بات ہے تو خبردار رہیے۔

○ رشتہ داروں سے تعلقات

دور کے رشتہ دار سب سے اچھے ہوتے ہیں۔ جتنے دور کے ہوں اتنا ہی بہتر ہے۔ مثل مشہور ہے کہ "دور کے رشتے دار سہانے۔"

○ تربیتِ اطفال

بچوں سے کبھی کبھی نرمی سے بھی پیش آئیے

بچے سوال پوچھیں تو جواب دیجئے مگر اس انداز میں کہ دوبارہ سوال نہ کر سکیں۔ اگر زیادہ تنگ کریں تو کہہ دیجئے' جب بڑے ہو گے سب پتا چل جائے گا۔ بچوں کو بھوتوں سے ڈراتے رہیے۔ شاید وہ بزرگوں کا ادب کرنے لگیں۔ بچوں کو دلچسپ کتابیں مت پڑھنے دیجئے' کیونکہ کورس کی کتابیں کافی ہیں۔

اگر بچے بیوقوف ہیں تو پروا نہ کیجئے۔ بڑے ہو کر یا تو جینئس بنیں گے یا اپنے آپ کو جینئس سمجھنے لگیں گے۔ بچے کو سب کے سامنے مت ڈانٹئے۔ اس کے تحت الشعور پر برا اثر پڑے گا۔ ایک طرف لے جا کر تنہائی میں اس کی خوب تواضع کیجئے۔

بچوں کو پالتے وقت احتیاط کیجئے کہ وہ ضرورت سے زیادہ نہ پل جائیں' ورنہ وہ بہت موٹے ہو جائیں گے اور والدین اور پبلک کے لئے خطرے کا باعث ہوں گے۔

اگر بچے ضد کرتے ہیں' تو آپ بھی ضد کرنا شروع کر دیجئے۔ وہ شرمندہ ہو جائیں گے۔

ماہرین کا اصرار ہے کہ موزوں تربیت کے لئے بچوں کا تجزیہ نفسی کرانا ضروری ہے۔ لیکن اس سے پہلے والدین اور ماہرین کا تجزیہ نفسی کرا لینا زیادہ مناسب ہو گا۔ دیکھا گیا ہے کہ کنبے میں صرف دو تین بچے ہوں گے تو وہ لاڈلے بنا دیئے جاتے ہیں۔ لہٰذا بچے ہمیشہ دس بارہ ہونے چاہئیں تا کہ ایک بھی لاڈلا نہ بن سکے۔

اسی طرح آخری بچہ سب سے چھوٹا ہونے کی وجہ سے بگاڑ دیا جاتا ہے' چنانچہ آخری بچہ نہیں ہونا چاہیے۔

○ مردوں کے لیے دبلا ہونے کا طریقہ

ملاحظہ ہو "عظمت کا راز"

○ خواتین کے لئے دبلا ہونے کا طریقہ

آج سے مندرجہ ذیل پرہیزی غذا شروع کر دیجئے۔
ناشتے پر : ایک ابلا ہوا انڈا' بغیر دودھ اور شکر کے چائے۔
دوپہر کو : ابلی ہوئی سبزی' بغیر شوربے کا تھوڑا سا گوشت' ایک چپاتی۔

سہ پہر کو : ایک بسکٹ' بغیر دودھ اور شکر کی چائے۔
رات کو : ابلا ہوا گوشت' سبزی' ڈیڑھ چپاتی' پھل' بغیر دودھ اور شکر کی کافی۔
(اس پرہیزی غذا کے علاوہ ساتھ ساتھ باورچی خانے میں نمک چکھنے کے سلسلے میں پلاؤ' مرغ سالن اور پراٹھے۔ میٹھا چکھتے وقت حلوہ' کھیر اور فرنی۔ "یہ بلی تو نہیں تھی؟" کے بہانے بالائی' دودھ اور مکھن "دکھا تو سہی تو کیا کھا رہا ہے" کے بہانے بچوں کے چاکلیٹ اور مٹھائیاں)
بعض اوقات اس پرہیزی غذا کا اثر نہیں ہوتا۔ تعجب ہے!

- مردوں کے لئے موٹا ہونے کا نسخہ

بھینس رکھنا' دفتر کی ملازمت' دوپہر کے کھانے کے بعد دہی کی لسی اور قیلولہ۔ سارے کھیل چھوڑ کر صرف شطرنج اور تاش۔ اور اگر آؤٹ ڈور گیم ہی کھیلنا ہو تو بیڈ منٹن کھیلئے' بس۔

- خواتین کے موٹا ہونے کی ترکیب

کسی خاص ترکیب کی ضرورت نہیں۔ اس سلسلے میں کچھ کہنا سورج کو چراغ دکھانا ہے۔

- تسخیر حب

تعجب ہے کہ ایسے اہم موضوع پر اس قدر کم لکھا گیا ہے۔ مصیبت یہ ہے کہ ماہرین تسخیر حب سب کچھ صیغہ راز میں رکھتے ہیں۔ بس کبھی کبھی اس قسم کے اشتہار چھپتے

ہیں۔
"محبت کے ماروں کو مژدہ"
"محبوب ایک ہفتے کے اندر اندر قدموں میں نہ لوٹنے لگے تو دام واپس!"
اس کے علاوہ امتحان میں کامیابی' اولاد کی طرف سے خوشی' خطرناک بیماریوں سے شفا' مقدمہ جیتنا' تلاش معاش' افسر کو خوش کرنے کے وعدے بھی ہوتے ہیں۔ اشتہار میں ایک مونچھوں والے (یا داڑھی والے) چہرے کی تصویر' کئی سندیں اور سرٹیفکیٹ بھی ہوتے ہیں' لیکن اس سلسلے میں نہ کتابوں میں کچھ موجود ہے' نہ رسائل میں۔ ادھر ہمارے ملک میں تسخیر حب کی قدم قدم پر ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ ہر شخص اس چشمہ حیواں کی تلاش میں ہے۔ اگرچہ مصنف کی معلومات اس موضوع پر نہ ہونے کے برابر ہیں۔ تاہم اس نے دوسروں کے تجربوں سے چند مفید باتیں اخذ کی ہیں۔
سب سے پہلے یہ وضاحت ضروری ہے کہ چاہنے والا مرد ہے یا عورت۔ اور ادھر محبوب کا تعلق کس جنس سے ہے؟ لہٰذا سہولت کے لئے ان ہدایات کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ یعنی

۱۔ اگر محبوب عورت ہے۔
۲۔ اگر محبوب مرد ہو (اور صنف نازک کے کسی فرد کو اس میں دلچسپی ہو)
۳۔ اگر محبوب شادی شدہ ہو (اور فریفتہ ہونے والا مرد ہو یا عورت)

(ا) اگر محبوب عورت ہو:
محبوب چنتے وقت یہ احتیاط لازم ہے کہ رشتہ داروں پر ہرگز عاشق نہ ہوں۔ اس کے بعد اردگرد اور پڑوس میں رہنے والوں سے بھی حتی الوسع احتراز کیں۔ (یہ تجرباتی فارمولے اور طالب حب کو وجہ پوچھے بغیر ان پر اندھا دھند عمل کرنا چاہیے)

محبوب سے ملاقات کے لیے جاتے وقت پوشاک سادہ ہونی چاہیے (رومال پر خوشبو نہ چھڑکئے' کہیں محبوب یا آپ کو زکام نہ ہو جائے) خوراک سادہ ہو (پیاز اور لہسن کے استعمال سے پرہیز کیجئے) مونچھوں کو ہرگز تاؤ نہ دیجئے ورنہ محبوب خوفزدہ ہو جائے گا۔ ویسے بھی فی زمانہ بنی سنوری مونچھوں کا اثر طبع نازک پر کوئی خاص اچھا نہیں پڑتا (اس کا فرمائشی مونچھوں پر اطلاق نہیں ہوتا) اگر محبوب کو آپ سے کوئی خاص دلچسپی نہیں تو استقبال یوں ہو گا۔ "تشریف آوری کا شکریہ۔ بڑی تکلیف کی آپ نے۔ بھائی جان بس آتے ہی ہوں گے' آپ بیٹھیے۔ میں دادا جان کو ابھی بھیجتی ہوں۔" لیکن اگر محبوب کو واقعی محبت ہے تو وہ بھاگا بھاگا آئے گا اور آپ کے دونوں ہاتھ پکڑ کر کہے گا۔ بلو جی!" (یا اسی قسم کا کوئی اور مہمل جملہ استعمال کرے گا)

محبوب کو یکسانیت سے بور مت کیجئے۔ ہر اتوار کو ملتے ہوں' تو دوسری تیسری مرتبہ منگل کو ملنے جایئے۔ اگلی مرتبہ جمعے کو۔ بلکہ ایک ٹائم ٹیبل بنا لیجئے۔

ماہرین کا خیال ہے کہ عورتوں کو سنجیدہ مرد اس لئے پسند آتے ہیں کہ انہیں یونہی وہم سا ہو جاتا ہے کہ ایسے حضرات ان کی باتیں غور سے سنتے ہیں۔ لہٰذا تسخیر حب کرتے وقت "گفتگو کا فن" میں جو کچھ لکھا ہے' اسے محبوب کے لیے نظر انداز کر دیجئے۔ نہ صرف محبوب کی باتیں خاموشی سے سنتے رہیے۔ بلکہ اسے یقین دلا دیجئے کہ دنیا میں فقط آپ ہی ایسے شخص ہیں' جس کے لئے محبوب کی الٹی سیدھی بات ایک مستقل وجہ مسرت ہے۔

محبوب سے زیادہ بحث مت کیجئے۔ اگر کوئی بحث چھڑ جائے تو جیتنے کا بہترین نسخہ یہ ہے کہ محبوب کی رائے سے متفق ہو جایئے اور ذرا جلدی کیجئے' کہیں محبوب دوبارہ اپنی رائے نہ بدل لے۔

اگر محبوب آپ کی ہر بات پر مسکرا دے اور لگاتار ہنستا رہے' تو اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسے اپنے نفیس دانتوں کی نمائش مقصود ہے (ایسے موقع پر محبوب سے پوچھیے کہ ان دنوں کون سے ٹوتھ پیسٹ استعمال ہو رہی ہے)

اگر محبوب اپنی تعریفیں سن کر ناک بھوں چڑھائے اور "ہٹئے بھی" وغیرہ کہے تو سمجھ لیجئے کہ اسے مزید تعریف چاہیے۔
محبوب کے میک اپ پر بھول کر بھی نکتہ چینی نہ کیجئے۔ شاید چہرہ اس لیے سرخ ہو گیا ہو کہ یہ پتا نہ چل سکے کب Blush کیا (فقط اس صورت میں اعتراض کیجئے جب محبوب کا رنگ خدا نخواستہ مشکی ہو۔ اگرچہ گرم خطوں میں ایسے محبوب افراط سے پائے جاتے ہیں)
ویسے ہر قسم کی تنقید سے پرہیز کیجئے۔ جو لوگ زیادہ نکتہ چینی کرتے ہیں' ان سے محبوب کی بیزاری بڑھی جاتی ہے اور تھوڑے دنوں کے بعد محبت میں ان کی حیثیت وہی ہو جاتی ہے جو ٹینس میں Marker کی۔
دو باتوں سے محبوب کو از حد مسرت حاصل ہوتی ہے۔ ایک تو یہ کہ کوئی اس سے کہہ دے کہ اس کی شکل کسی ایکٹرس سے ملتی ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کی جو رقیب ہے وہ تو یونہی انٹلکچوئل سی ہے۔
محبوب کی بہن (اگر بہن کی عمر پندرہ اور پینتالیس کے درمیان ہو) کے سامنے محبوب کی کبھی تعریفیں مت کیجئے ورنہ نتائج بڑے حیرت انگیز نکلیں گے۔ اور اگر محبوب کے عیب معلوم کرنے ہوں تو اس کی سہیلیوں کے سامنے اسے اچھا کہہ کر خدا کی قدرت کا تماشا دیکھئے۔ کبھی چھپ کر محبوب کو کسی سے لڑتے ہوئے ضرور دیکھئے۔ یا محبوب کو کسی سے لڑا دیجئے۔ بہت سے لرزہ خیز حقائق کا انکشاف ہو گا۔
اگر محبوب کئی مرتبہ یہ جتائے کہ آپ بالکل نو عمر سے لڑکے نظر آ رہے ہیں' تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ بوڑھے ہوتے جا رہے ہیں۔
یاد رکھئے کہ محبوب کی نگاہوں میں ایک چالیس پینتالیس برس کا نوجوان ایک پچیس تیس سالہ بوڑھے سے کہیں بہتر ہے۔ (اور ایسے نو عمر بوڑھے ان دنوں کافی تعداد میں ہر جگہ ملتے ہیں)
محبوب کی سالگرہ یاد رکھئے لیکن اس کی عمر بھول جائیے۔

بعض اوقات محبوب کو آپ کے احسانات یاد نہیں رہتے۔ لیکن وہ فرمائشیں کبھی نہیں بھولتیں' جنہیں آپ پورا نہ کر سکے۔

اوائل محبت میں محبوب سے یہ پوچھنا کہ "کیا اسے آپ سے محبت ہے؟" ایسا ہی جیسے کسی ناول کا آخری باب پہلے پڑھ لینا۔

تنگ دستی محبت کی دشمن ہے۔ ایک قیمتی تحفہ منٹوں میں وہ کچھ کر سکتا ہے جو شاعر مہینوں برسوں میں نہیں کہہ سکتے۔

اگر محبوب کسی اور پر عاشق ہے تو آپ کی سب کوششیں رائیگاں جائیں گی۔ ایسی حالت میں برابر برابر چھڑوا دینے والے مقولے پر عمل کیجئے اور ریٹائر ہو جانا بہتر ہو گا۔ اور اگر محبوب کسی اور کی جانب ملتفت بھی نیں' لیکن آپ کے سب حربے بیکار نظر آنے لگیں تو یہ نہ سمجھئے کہ محبوب سنگدل یا ناقابل تسخیر ہے۔ وہ فقط تجربہ کار ہے۔ احتیاطاً یہ ضرور معلوم کر لیجئے کہ محبوب نے اپنے سابقہ چاہنے والوں سے کیا سلوک کیا تھا۔ وہی سلوک دہرایا بھی جا سکتا ہے اور غالباً دہرایا جائے گا۔

یہ ہمیشہ یاد رکھئے کہ جیسے جیسے محبوب کی عمر بڑھتی جائے گی' وہ بالکل اپنی امی کی طرح ہوتی چلی جائے گی۔

(۲) اگر محبوب مرد ہو:

محبوب میں سب سے پہلی چیز یہ نوٹ کیجئے کہ آیا وہ آپ کو نوٹ کر رہا ہے یا نہیں۔

محبوب سے نہ کبھی مذہب پر بحث کیجئے' نہ روس پر۔ بلکہ اس سے یہ بھی مت پوچھئے کہ وہ کماتا کیا ہے؟

محبوب کے سامنے کبھی کسی عورت کی برائی مت کیجئے۔ اس سے وہ بے حد متاثر ہو گا۔

محبوب سے یہ ہرگز مت پوچھئے کہ اس نے مصنوعی دانت کب لگوائے تھے۔ یہ یاد رکھئے کہ ایک حسین عورت کی سب [illegible] ہیں اور ان کا [illegible] نہیں ہو سکتا' لہٰذا

محتاط رہیے۔
محبوب کی تعریف کرتے وقت وضاحت سے کام لیجئے۔ یہ نہیں کہ آپ خوب ہیں' وجیہ ہیں' لاکھوں میں ایک ہیں۔ بلکہ یہ کہ آپ کا ماتھا کشادہ ہے۔ بال گھنگھریالے ہیں۔

شانے ماشاء اللہ مردوں جیسے چوڑے ہیں۔
جو مرد اپنی مونچھوں کی دیکھ بھال کرتے ہیں وہ خود پسند ہوتے ہیں۔ لیکن جو شیو کرتے ہیں' وہ بھی کم خود پسند نہیں ہوتے۔
اگر محبوب کلب سے پی کر آیا ہو تو کبھی مت جتلایئے۔ صرف یہ کہہ کر منہ بنا لیجئے کہ آج پھر آپ نے Ginger پی ہے۔ اس سے وہ اس قدر خوش ہو گا کہ بیان سے باہر ہے۔
محبوب کے ساتھ کہیں بھاگ جانے کے خیال کو کبھی دل میں نہ لایئے' کسی کے ساتھ بھاگنا بے حد فضول حرکت ہے۔
اگر محبوب گنجا ہو تو نہ اس کی بلند پیشانی کا ذکر کیجئے نہ اس کے سر کی طرف دیکھیے۔
مرد اپنی محبت کا واسطہ دے کر محبوب کی پرانی محبتوں کے متعلق پوچھا کرتے ہیں۔ انہیں کچھ نہ بتایئے' ورنہ پچھتانا پڑے گا۔
آپ کی باتیں خواہ کتنی ہی بے جا کیوں نہ ہوں' تب تک بے جا ہیں جب تک آپ کی آنکھوں میں آنسو نہیں آتے۔ لہٰذا پیشتر اس کے کہ محبوب کو پتا چل سکے کہ کیا ہو رہا ہے۔ آپ رونا شروع کر دیجئے۔ اپنی رقیبوں سے ہر دم خبردار رہیے۔ محبوب جن عورتوں کے متعلق باتیں کرتا رہے' ان کی پرواہ نہ کیجئے۔ لیکن جب وہ کسی عورت کے ذکر سے جان بوجھ کر گریز کرے' تو سمجھ جایئے کہ دال میں کالا ہے۔
یہ تو ناممکن ہے کہ آپ اپنے دل کا راز کسی اور کو نہیں بتائیں گے۔ لیکن بتاتے وقت یہ کبھی مت کہئے "تمہیں قسم ہے جو کسی اور سے کہا تو۔" اس سے سننے والی کو فوراً شبہ ہو گا اور وہ اسی وقت سب سے کہہ دے گی۔
محبوب آپ کی تازہ ترین تصویر مانگے گا' لیکن جب وہ آپ

کی بچپن کی تصویر مانگے تو سمجھ لیجئے کہ وہ بہت دور کی سوچ رہا ہے اور سب کچھ ہو کر رہے گا۔
شروع شروع میں محبوب کو آپ کے چاچے' ماموں اور بھائی وغیرہ اچھے نہ لگتے ہوں تو کچھ دیر انتظار کیجئے۔ آہستہ آہستہ وہ خود سیدھا ہو جائے گا۔

عقلمند محبوب کو قابو میں رکھنا زیادہ مشکل نہیں۔ لیکن اگر محبوب بیوقوف ہو تو ذہین سے ذہین عورت کے لئے بھی اسے سنبھالنا محال ہو گا۔

(۳) اگر محبوب شادی شدہ ہو:
(یہ موضوع بے حد ضروری ہے' کیونکہ آج کل شادی شدہ محبوب سے عشق کرنا نہ صرف عام ہو گیا ہے' بلکہ فیشن میں شامل ہے۔ روز بروز اس کی اہمیت ہر خاص و عام پر واضح ہوتی جا رہی ہے)
چونکہ شادی شدہ محبوب مقابلتہً تجربہ کار ہوتا ہے' اس لیے بڑے احتیاط کی ضرور ہے۔
ان ہدایات پر بڑی سنجیدگی سے عمل کرنا چاہیے۔ لیکن اگر شبہ ہو جائے کہ کسی ہدایت کو محبوب پہلے سے جانتا ہے تو اسے وہیں ترک کر دیجئے (ہدایت کو) اور دوسری پر عمل شروع کر دیجئے (ہدایت پر)
شادی شدہ محبوب کو مسخر کرنے کے لئے سب سے اہم چیز نہ حسن ہے' نہ قابلیت۔ بلکہ پروپیگنڈا ہے۔ لہٰذا تھوڑے تھوڑے عرصے کے بعد اپنے متعلق کوئی خبر اڑا دیجئے کہ آپ کا ارادہ ولایت جانے کا ہے۔ کبھی کلاسیکل ڈانس سیکھنے کے منصوبے باندھئے تو کبھی اردو میں ایم اے کرنے کی خبر مشہور کر دیجئے۔
پہلے محبوب منتخب کیجئے پھر اسے چند فالتو خواتین و حضرات کے ساتھ مدعو کیجئے۔ پکنک' ادبی محفل' تاش یا کسی اور بہانے سے۔ بعد میں آہستہ آہستہ دوسرے لوگوں کو نکالتے جائیے۔ حتیٰ کہ صرف آپ اور محبوب باقی رہ جائیں۔ (اس طرح محبوب کو شبہ نہیں ہو گا۔ شبہ ہوا بھی تو دیر میں ہو گا)

بہتر تو یہ ہو گا کہ ایک وقت میں کئی جگہ کوشش کیجئے۔ اگر کامیابی دس فیصدی بھی ہوئی تب بھی Average ناتسلی بخش نہیں۔

کچھ ایسا انتظام کیجئے کہ محبوب ہر وقت آپ کے متعلق قیاس آرائیاں کرتا رہے۔ مثلاً کھوئی کھوئی نگاہوں سے خلا میں تکا کیجئے۔ ذرا ذرا سی دیر کے بعد ٹھنڈے سانس لیجئے۔

وہ بار بار پوچھے گا۔ کیا بات ہے؟ کیا ہوا؟ کچھ مجھے بھی تو بتاؤ؟

گفتگو میں اپنے یا محبوب کے شریک حیات کا ذکر بالکل نہ آنے دیجئے۔ یوں ظاہر کیجئے' جیسے اس دنیا میں آپ نہ آپ کا کوئی ہے نہ اس کا۔

اگر محبوب بے رخی برتتا تو اس کا خوب تعاقب کیجئے۔ بار بار فون کیجئے' ملنے جایئے' سندیسے بھیجئے' خط لکھئے' کسی دن اتنا وہ تنگ آئے گا کہ آپ پر عاشق ہو جائے گا۔ الماریوں میں چند اوٹ پٹانگ ضخیم کتابیں' دیواروں پر ماڈرن آرٹ کی بے تکی تصویریں اور کمرے میں ستار وائلن ضرور رکھئے۔ خواہ آپ کو ان سے ذرا بھی دلچسپی نہ ہو۔ محبوب یہ سمجھے گا کہ آپ کی طبیعت فنکارانہ ہے۔

تقریبوں اور پارٹیوں میں ذرا دیر سے جایئے تاکہ لوگ پوچھیں کہ یہ کون ہے؟ بیٹھنے کے لئے ایسی جگہ چنئے جہاں مناسب روشنی اور موزوں لوگ ہوں۔

اگر شریک حیات ساتھ ہو تو سب کے سامنے اسے کبھی ڈارلنگ مت کہئے' بلکہ پبلک میں اس کا نوٹس ہی نہ لیجئے۔

اپنے بچے کو کبھی ساتھ مت لے جایئے۔ ایک بچے کی موجودگی سارے حسن و جمال کو ختم کر دینے کے لیے کافی ہے۔ محبوب کے بچوں کو بھی لفٹ نہ دیجئے۔

ذرا سے جھوٹ سے عجیب دلکشی پیدا ہو جاتی ہے۔ یاد رکھئے کہ بچپن میں جھوٹ بولنا گناہ سمجھا جاتا ہے۔ شادی سے پہلے اسے ایک خوبی تصور کیا جاتا ہے۔ محبت میں اسے آرٹ کا درجہ حاصل ہے۔ اور شادی کے بعد جھوٹ کی پختہ عادت پڑ جاتی ہے۔

عینک کبھی مت لگایئے' خواہ دو تین فٹ سامنے کچھ بھی نہ دکھائی دیتا ہو۔ مگر ذرا سنبھل

سنبھل کر چلئے' راستے میں گڑھے بھی ہوتے ہیں۔
دعوتوں پر یا تو کھانا کھا کر جایئے یا واپس آ کر کھایئے۔ کم خوراک ہونا انٹلیچکوئل پنے کی نشانی سمجھی جاتی ہے۔ افواہوں میں خاص دلچسپی لیجئے۔ اگر محبوب کو سنانے کے لئے نئی نئی افواہیں آپ کے پاس ہوئیں' تو ہو باقاعدگی سے سننے آئے گا۔
اگر لوگ آپ کے یا محبوب کے متعلق برا بھلا کہتے ہیں تو ذرا خیال نہ کیجئے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جن لوگوں میں برائیاں نہیں ہوتیں' ان میں خوبیاں بھی بہت کم ہوتی ہیں۔ تبھی سارے دلچسپ لوگ بگڑے ہوئے ہوتے ہیں۔
محبت ختم کرتے وقت ہرگز مت لڑیئے' خدا جانے کل کلاں کہیں سابق محبوب ہی سے واسطہ نہ پڑ جائے۔
آخر میں مصنف سفارش کرے گا کہ کبھی کبھی اپنے رفیق حیات سے بھی تھوڑی سی محبت کر لیا کیجئے۔ اس کا بھی تو آپ پر حق ہے۔ جیسا کہ ایک مشہور مفکر نے کہا ہے کہ "اپنے رفیق حیات سے محبت کرنا محبت نہ کرنے سے ہزار درجے بہتر ہے۔"

چند جنرل ہدایات:
محبوب سے تبھی ملئے جب اس کی صحت اچھی ہو (اور آپ کی بھی) دانت یا سر کے ذرا سے درد سے دنیا اندھیر معلوم ہونے لگتی ہے۔
سب جانتے ہیں کہ حسین اتنے خطرناک نہیں ہوتے' جتنے سادہ شکل والے۔ آخر الذکر چھپے رستم ہوتے ہیں۔ یہ ہمدردی جتاتے ہیں۔ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ احسانوں سے زیر بار کر دیتے ہیں۔ نشانہ درست کرکے پھر وار کرتے ہیں۔ لیکن حسین اپنے آپ ہی میں مگن رہتے ہیں۔ انہیں آئینہ دیکھنے اور کپڑے سلوانے سے ہی فرصت نہیں ملتی۔
یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ ذہین انسان بڑی مشکلوں سے عاشق ہوتے ہیں۔ ان کے خیال میں محبت تخیل کی فتح ہے۔ ذہانت کی

غالباً محبوب ایک دوسرے سے اس لئے بور نہیں ہوتے کہ وہ ہر وقت ایک دوسرے کے متعلق باتیں کرتے رہتے ہیں۔

(محبت کی شادی کے ذکر سے قصداً گریز کیا گیا ہے کیونکہ یہ جدا موضوع ہے۔ لیکن علماء کا قول ہے کہ جہاں محبت اندھی ہے وہاں شادی ماہر امراض چشم ہے)

نوٹ : اگر اس مضمون سے ایک کا بھی بھلا ہو گا تو مصنف سمجھے گا کہ اس کی ساری محنت بالکل رائیگاں گئی۔

○○○

• شیطان، عینک اور موسم بہار

بہار آ گئی، ولایتی سینٹ مہکے۔ کمپنی باغ میں نئی نئی کونپلیں پھوٹیں۔ پژمردہ چہروں پر میک اپ سے تازگی آ گئی۔ مسرت و شادمانی کی لہر سول لائنز کے گوشے گوشے میں دوڑ گئی۔ سڑکوں پر پیرا شوٹ کے کپڑے رنگین ملبوس دکھائی دینے لگے۔

جب قدرت اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ انگڑائی لے کر اٹھی تو شیطان کی عینک کھوئی گئی۔

شیطان کی عینک ایسی ویسی عینک نہیں جسے ہر عینک ساز مہیا کر سکے۔ ان کی عینک کے شیشوں کے افقی رخ میں بھی کئی نمبر ہیں اور عمودی رخ میں بھی۔ چنانچہ کچھ شمال مشرق اور جنوب مغرب جنوب کی قسم کے شیشے ہیں۔

ایسی پیچیدہ عینک کا جلد ملنا محال ہے۔ لہٰذا شیطان بغیر عینک کے دکھائی دیئے جانے لگے۔

جج صاحب نے ولایت جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ سب متعجب ہوئے سوائے شیطان کے۔ شیطان کا خیال تھا کہ لوگ بڑی تیزی سے ولایت جا رہے ہیں۔ ان دنوں تو یہ رفتار اتنی تیز ہو چکی ہے کہ کسی کے ولایت جانے پر ذرا حیرت نہیں ہوتی۔ حیرت ہوتی ہے تو اس بات پر کہ فلاں شخص اب تک ولایت کیوں نہیں گیا۔ ان کا اندازہ تھا کہ ہر شخص اللہ کو پیارا ہونے سے پہلے کم از کم ایک مرتبہ ولایت ضرور ہو آئے گا۔

ویسے جج صاحب کے جانے نہ جانے سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا تھا۔ فکر تھا تو رضیہ کا۔ اگر وہ ساتھ چلی گئی تو بہت برا ہو گا۔ شیطان کا تو بہت ہی برا حال تھا، کیونکہ وہ رضیہ پر دوبارہ فریفتہ ہوئے تھے۔ ہوا یوں کہ وہ تقریباً دو سال تک رضیہ سے نہ مل سکے۔ جب وہ باہر سے آتے تو جج صاحب کا کنبہ کہیں چلا جاتا، جب کنبہ آتا تو شیطان کہیں ادھر ادھر ہوتے۔ پورے دو سال بعد وہ چائے پر رضیہ سے ملے۔ میں نے

دونوں کا تعارف کرایا۔ اور بتایا کہ وہ جج صاحب کے ہمراہ ولایت جا رہی ہے۔ بڑی رسمی قسم کی گفتگو ہوئی۔ شیطان نے پوچھا۔ آپ کے مشغلے کیا ہیں؟ آپ کے محبوب ایکٹر

اور پسندیدہ مصنفین کون کون سے ہیں۔ روس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔ آپ شام کو کیا کیا کیا کرتی ہیں؟ بی اے میں آپ کے مضامین کیا تھے؟ آپ کو شلوار پسند ہے یا غرارہ؟ آلڈس ہکسلے اور جیمز جوائس کی کون کون سی کتابیں آپ نے نہیں پڑھیں؟

اگلے دن شیطان نے بیان دیا کہ جمعے کی سہ پہر کو چار بج کر پچپن منٹ سے وہ رضیہ پر نئے سرے سے عاشق ہو گئے ہیں۔

ان کی حالت اس قدر مخدوش ہو چکی تھی کہ میں سچ مچ ان کے حق میں دست بردار ہو گیا۔ میں دستبردار کیوں ہوا؟ شاید یہ قربانی کا جذبہ تھا۔ جذبہ ترحم تھا یا وہ لافانی فوق البشر آسمانی جذبہ جو انسان کے دل میں کبھی کبھی آتا ہے جو روح کو لامتناہی وسعتوں میں لے جاتا ہے' جو انسان کو فرشتوں میں لا کھڑا کرتا ہے' جذبہ جو ... وغیرہ وغیرہ۔

دست بردار ہونے کی ایک اور وجہ بھی تھی۔ وہ یہ کہ مجھے یقین تھا کہ چاہے شیطان کچھ کر لیں رضیہ ان کی جانب کبھی ملتفت نہیں ہو گی۔ بنے گا کچھ بھی نہیں۔

چنانچہ شیطان تو عاشق ہو گئے۔ لیکن رضیہ پر کوئی خاص اثر نہیں ہوا۔ بلکہ کوئی عام اثر بھی نہیں ہوا۔ ویسے رضیہ کا رویہ ہم سب کے متعلق عجب مولویانہ سا تھا۔ اسے نہ کسی سے محبت ہوتی تھی نہ نفرت۔

شیطان نے مجھے فون کیا اور چاء پر ایک کیفے میں بلایا۔ پوچھا کہ اور کون ہو گا؟ بولے یونہی ایک آدھ واقف وغیرہ وغیرہ۔ میں کیفے کے دروازے میں داخل ہوا تو یک بیک بلیوں کی چیخیں' کتوں کے رونے کی آوازیں' مرغیوں کی فریادیں' ملی جلی سنائی دیں۔ معلوم ہوا کہ آرکیسٹرا کوئی انگریزی دھن بجا رہا ہے۔ شیطان کو ڈھونڈنا مصیبت ہو گئی۔ جدھر دیکھتا ہوں اجنبی چہرے نظر آتے ہیں۔ آخر انہوں نے خود آواز دی۔ عینک کے

بغیر وہ واقعی اجنبی معلوم ہو رہے تھے۔ دراصل عینک ان کے چہرے کا جزو بن چکی تھی۔ مجھے یاد نہیں پڑتا کہ کبھی میں نے ان کو عینک کے بغیر بھی دیکھا ہو۔ شاید ایام طفلی میں بھی عینک لگاتے ہوں گے۔

پوچھا کہ وہ واقف کہاں ہیں؟ انہوں نے اشارے سے بتایا کہ "ایک تو میں ہوں اور یہ تین وغیرہ وغیرہ۔" میں نے دیکھا کہ تین بالکل ایک جیسی عینکیں مجھے دیکھ رہی ہیں۔ بالکل ایک جیسی شبیہیں تھیں۔ پہلے تو خیال ہوا کہ کہیں ایک چہرے کا عکس مختلف آئینوں میں تو نہیں پڑ رہا۔ شیطان نے تعارف کرایا۔ "یہ کریمہ ہیں۔ یہ رحیمہ ہیں۔ اور یہ سفینہ۔"

میرے لئے وہ تینوں بالکل ایک سی تھی۔ سب سے پہلے نظر عینکوں پر جاتی جو ایک سی تھیں۔ عینکوں کے عقب میں جو تھوڑے بہت خدوخال دکھائی دیتے وہ بھی ایک جیسے تھے۔ باوجود انتہائی کوشش کے میں ان میں تمیز نہ کر سکا۔ بار بار ایک ہی لڑکی کے سامنے کیک سرکاتا رہا۔ اور اپنی طرف سے یہی سمجھتا رہا کہ طشتری تینوں کو پیش کی تھی۔ ایک لڑکی کو مس زینہ بھی کہہ گیا۔ جس پر شیطان نے دوبارہ ان کے نام لیے۔ مجھے صرف کریمہ یاد رہا۔ شاید "کریما بہ بخشائے بر حال ما" کی وجہ سے۔ کریمہ تینوں میں کم معمولی تھی۔ ویسے وہ حسین ہوتے ہوتے بال بال بچ گئی تھی۔

آخر میں نے ہمت کی اور تینوں کو مس کریمہ اور سفینہ وغیرہ کہہ کر مخاطب کیا اور بتایا کہ مجھے ان سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔ شیطان نے لفظ مس کئی دفعہ دہرایا اور بولے "جانتے ہو دنیا میں عورت یا تو Hit ہوتی ہے۔ اور یا پھر مس۔"

چائے کے بعد شیطان انہیں چھوڑنے چلے گئے اور میں وہیں بیٹھا ان کے نام یاد کرتا رہا۔ دفعتہً کوئی شخص زور زور سے نمکین پانی کے غرارے کرنے لگا۔ میں نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا۔ ریڈیو پر پکا گانا ہو رہا تھا۔

شیطان نے واپس آ کر کہا۔ "اب تمہارے ذمے تین لڑکیاں ادھار ہیں۔" انہوں نے میری رائے طلب کی۔ میں نے انہیں بتایا کہ ان لڑکیوں سے آج تک میرا واسطہ نہیں

پڑا' اس لئے میں کچھ نہیں کہہ سکتا اور پھر اس صورت میں جبکہ شیطان کی معنک کزن کسی کالج میں استانی ہیں۔ البتہ ایک شعر میں نے کہیں سے سنا تھا۔

اگرچہ عینکوں سے فرق کچھ اتنا نہیں پڑتا
معنک لڑکیوں پر لوگ عاشق کم ہی ہوتے ہیں

لیکن ان کا خیال تھا کہ عینک لڑکی کا زیور ہے۔ عینک کو مقوی حسن کا درجہ دیا گیا ہے۔ کئی چہرے تو عینک کے بغیر اچھے معلوم نہیں ہوتے۔ میں نے انہیں بتایا کہ یہ مختلف کالجوں میں پڑھتی ہیں۔ مہینے میں پندرہ دن ہوسٹلوں میں رہتی ہیں اور پندرہ دن گھر۔ ان سے واقفیت بھی خوب ہوئی۔ موسم بہار کی آمد پر ابھی شیطان کی عینک کو گم ہوئے چند دن ہی گزرے ہوں گے کہ انہوں نے سینما میں اپنی ان کزن کو دیکھا جو استانی ہیں۔ وہ ایک گوشے میں بالکل اکیلی بیٹھی تھیں۔ یہ ان کے پیچھے جا بیٹھے۔ پہلا گلا صاف کیا' کھنگارے۔ پھر ایک ترقی پسند سا شاعر پڑھا۔ مگر وہ خاموش رہیں۔ شیطان نے عینک کے شیشے صاف کرنے کا مشورہ دیا کہ میلے ہو رہے ہیں۔ وہ پھر بھی چپ رہیں۔ یہ شکایتیں کرنے لگے کہ مہینے ہو جاتے ہیں اور تم نہیں ملتیں۔ ہم بلاتے ہیں تو انکار ہو جاتا ہے۔ خود اکیلی سینما آ جاتی ہو۔ مہینے کی پہلی تاریخیں ہیں۔ تمھیں تنخواہ ملی ہو گی۔ دیکھیں تمہارا بٹوہ۔

جب شیطان نے بٹوے پر ہاتھ ڈالا تو چھین جھپٹی شروع ہو گئی۔ آس پاس کے لوگ دیکھنے لگے۔ آخر فتح شیطان کی رہی اور انہوں نے بٹوہ چھین لیا۔ اب جو قریب سے انہیں دیکھتے ہیں تو وہ اور کوئی اور تھیں۔ بڑے شرمندہ ہوئے۔ جو معافی مانگنی شروع کی تو انہیں فلم بھی نہ دیکھنے دی۔ پکچر ختم ہوئی تو انہیں گھر چھوڑنے گئے۔ اور دوستی ہو گئی۔

یہ تھیں کریمہ جس کی بائیں آنکھ پر شیطان بری طرح فریفتہ ہو گئے تھے۔ کیونکہ وہ اکثر شیطان بری طرح فریفتہ ہو گئے تھے۔ کیونکہ وہ اکثر شیطان کی دائیں طرف بیٹھتی

اور وہاں سے بائیں آنکھ مقابلۃً قریب ہوتی ہے۔

ایک روز شیطان کافی ہاؤس میں تھے کہ دروازہ کھلا۔ کریمہ آئی اور شیطان کے سامنے سے ہوتی ہوئی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر چلی گئی۔ انہیں بہت برا لگا۔ یہ اٹھے اور اسی طرح تیزی سے سیڑھیاں چڑھ کر اس کے سامنے جا بیٹھے۔ اوپر کچھ اندھیرا سا تھا۔ انہوں نے خفگی کا اظہار کیا اور کہا کہ لڑکیوں کو آداب بالکل نہیں آتے۔ اگر باتیں کرنا نہیں چاہتی تھیں تو کم از کم ہیلو ہی کہہ دیتیں۔ اسی طرح تو غلط فہمی پیدا ہوتی ہے۔ جب اچھی طرح خفا ہو چکے تو معلوم ہوا کہ یہ کریمہ نہیں تھی کوئی اور معنک لڑکی تھی۔ شیطان نے بڑی خوشامدیں کیں۔ بات بات پر ہی ہی کرتے رہے۔ بالائی اور کافی منگائی۔ یہ رحیمہ تھی۔

تیسری لڑکی سفیہ خود کنارے آ لگی۔ اور ایک دن کریمہ اور رحیمہ کے ہمراہ چڑیا گھر میں مل گئی۔

"تو سارا قصور تمہاری گم شدہ عینک کا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"اور موسم بہار کا بھی۔" وہ بولے

میں نے مشورہ دیا کہ وہ اپنی سرگرمیوں کو تب تک ملتوی کر دیں جب تک ان کی نئی عینک نہیں آتی۔

"عینکیں تو آتی جاتی رہتی ہیں۔ موسم بہار بہت دیر میں آتا ہے۔" وہ آہ سرد کھینچ کر بولے۔ "اور پھر رضیہ نے بھی تو کہا تھا کہ آپ عینک کے بغیر اچھے معلوم ہوتے ہیں۔"

ہم نے بل منگایا۔ شیطان نے حسب معمول بل کا بغور مطالعہ کیا۔ دوبارہ میزان کرکے ساڑھے تین آنے کی غلطی نکالی۔ بیرہ بل درست کرا کے لایا۔ میں نے چار آنے پلیٹ میں چھوڑ دیے۔ بیرے نے بہت برا منہ بنایا۔ ابھی تھوڑی دور ہی گیا ہو گا کہ شیطان نے آواز دے کر واپس بلا لیا اور چار آنے پلیٹ سے اٹھا کر اپنی جیب میں ڈال لیے۔

ہم باہر نکلے' موٹر سائیکل سنبھالی اور جج صاب کی کوٹھی کا رخ کیا۔ شیطان کا اصرار

تھا کہ جس طرح ملازمت میں اینٹی ڈیٹ ملتی ہے اسی طرح انہیں بھی وہ چند سال مل جانے چاہئیں جو انھوں نے رضیہ کے عشق میں پہلے گزارے تھے۔ یعنی ان کا عشق تب سے گنا جائے جب وہ پہلی مرتبہ رضیہ پر عاشق ہوئے تھے۔ اس طرح وہ مجھ سے کافی سینئر ہو جاتے تھے۔

پھاٹک پر ہمیں ننھا ملا جو غلیل لیے کھڑا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حکومت آپا شکار کھیلنے گئی ہیں، جج صاحب کے ساتھ۔ یہ سن کر مجھے بڑی خوشی ہوئی کیونکہ حکومت آپا کی جدائی میرے لیے ہمیشہ مسرت آمیز ہوتی ہے۔

شیطان بولے۔ ”کاش کہ مجھے پہلے پتہ چل جاتا۔ جہاں وہ گئی ہیں وہاں کے جانوروں کو مسلح کر دیتا۔“

ہم نے رضیہ کے متعلق دریافت کیا تو ننھا بولا۔ ”یقین کیجئے بھائی جان، میں آج تک نہیں سمجھ سکا کہ آخر رضو آپا میں ایسی کیا چیز ہے جو آپ دونوں کو پسند ہے۔ کم از کم مجھے تو وہ بے حد معمولی دکھائی دیتی ہیں۔“

”جب تم ہماری عمر کو پہنچو گی تو تمہارا معیار یقیناً بدل جائے گا۔“

”مگر میں نے تو عمر بھر ایسی لڑکی نہیں دیکھی جس نے مجھے متوجہ کیا ہو۔“ ننھے میاں نے بزرگوں کی طرح بیان دیا۔

شیطان ننھے میاں کو دیکھ کر دانت پیتے اور قسم کھاتے کہ اگر وہ کبھی اسمبلی کے ممبر بن گئے تو ایک قانون نافذ کرائیں گے جس کی رو سے عشاق کو اجازت ہو گی کہ اگر محبوب کا کوئی اس قسم کا چھوٹا بھائی ہو تو اسے جاں بحق تسلیم کرا دیں۔

شیطان ان دنوں کچھ حساس ہو گئے تھے۔ بہار آتے ہی وہ حساس ہو جاتے ہیں۔

بیگم ملیں۔ ”سناؤ لڑکے کیسے ہو؟ تمہاری موٹر سائیکل کیسی ہے؟“

”جی خدا کا فضل سے اچھی ہے اور آپ کی خیریت کی طالب ہے۔“ شیطان نے جواب دیا۔

"بھائی جان آپ کی موٹر سائیکل کی طاقت کتنی ہے؟" ننھے میاں نے پوچھا۔
"ڈھائی ہارس پاور۔"
"یعنی دو گھوڑے اور ایک بچھیرا۔ لیکن جس روز میں اس پر سوار ہوا تو یہ ساڑھے تین

ہارس پاور کی ہو جائے گی۔ امی جان ہارس پاور کا ترجمہ کیجئے۔"
"مجھے کیا پتہ کہ یہ کم بخت پاور ہاؤس کیا بلا ہے۔"
"قوت اسپ۔" ننھا سینہ پھلا کر بولا۔
"یہ دن بہ دن شرارتی ہوتا جا رہا ہے۔ آج یہ کہیں سے چھوٹا سا بچے کا بکرا پکڑ لایا جو پھر اودھم مچایا ہے تو خدا کی پناہ۔"
بیگم نے ذرا دوسری طرف دیکھا اور شیطان غائب تھے۔
"امی جان! ایف اے خان صاحب کی موٹر آئی ہے۔"
یہ ایف اے خان شاید کوئی فقیر احمد یا فدا احمد وغیرہ تھے۔ ان پر ننھے میاں خاص طور پر مہربان تھے۔ ہر ملاقات پر سلام کے بعد سوال ہوتا۔ "انکل آپ برسوں سے ایف خان کو کیوں ہیں؟ لوگ ایم اے ہو گئے اور آپ بی اے خا تک نہیں ہوئے۔"
"مسز خان بھی آئی ہوں گی۔ اچھا میں چلتی ہوں۔ اتنی دیر تم ننھے کو پڑھاؤ۔ اس کا سبق بھی سننا۔ یہیں بیٹھے رہو' باہر مچھلیاں اور مچھر بہت ہیں۔"
سب سے پہلے ننھے میاں نے اپنی تازہ ترین تھیوریاں پیش کیں کہ دراصل آسمان ایک سیاہ خول ہے جس میں بے شمار چھوٹے چھوٹے سوراخ ہیں۔ اس خول کے پیچھے نہایت تیز روشنی رہتی ہے۔ ہم ان سوراخوں کو ستارے سمجھتے ہیں۔ یہ ہوائی جہاز والے اگر زیادہ اونچے چلے گئے تو اس خول سے ٹکرا بھی سکتے ہیں اور یہ کہ کشش ثقل کے بالکل الٹ ایک اور کشش بھی ہے اور جو انسان کو آسمان کی طرف کھینچتی ہے۔ اس کا نسخہ ابھی تک معلوم نہیں ہوا۔ جس روز دریافت کر لیا گیا سفر میں بڑی آسانی ہو جائے گی۔
لوگ شوں سے آسمان کی طرف اڑ جایا کریں گے اتنی دیر میں زمین گردش کرتی رہے

گی اور وہ شہر دور چلا جائے گا۔ جب نیا شہر آنے والا ہو گا تو مخالف گیئر لگا کر کشش

ثقل کے ذریعے نیچے اتر آیا کریں گے۔"

اس کے بعد وہ یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ انسان اپنا توازن کس طرح قائم رکھتا ہے۔ اگر پونے چھ فٹ لمبے لٹھ کو زمین پر کھڑا کر دیا جائے تو وہ فوراً گر پڑتا ہے لیکن انسان کھڑا رہتا ہے اور نہیں گرتا۔ انہیں یہ بات بھی حیرت میں ڈالتی تھی کہ پانی پت کی لڑائیاں ٹینوں اور ہوائی جہازوں کے بغیر کیونکر فتح کی گئیں۔

بڑی مصیبتوں سے میں نے ننھے میاں سے پیچھا چھڑایا۔ دبے پاؤں باغیچے میں پہنچا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ نہایت سہانا سماں ہے' معطر جھونکے چل رہے ہیں۔ تارے جگمگا رہے ہیں۔ چاند ابھی نکلا تو نہیں لیکن ارادہ کر رہا ہے۔ فوارے کے سامنے رضیہ اور شیطان یوں پوز بنائے کھڑے ہیں جیسے تصویر اتروا رہے ہوں۔

شیطان نے ایک نہایت لمبی آہ کھینچی' اتنی لمبی کہ میں حیران رہ گیا۔ اور بڑے غمگین لہجے میں بولے "ٹوٹے چمک چمک کے ستارے امید کے۔ ایک خواب تھا کہ پتہ نہیں کیا ہوتا رہا۔"

"اک خواب تھا کہ تا بہ سحر دیکھتے رہے۔" رضیہ نے لقمہ دیا اور دونوں روش پر چلنے لگے۔ وہ میرے قریب سے گزرے۔ شیطان تو اتنے قریب تھے کہ میں چاہتا تو ہاتھ بڑھا کر گدگدی کر سکتا تھا۔

"جی ہاں بالکل وہی۔ اف یہ ستارے کتنے اداس ہیں۔ رات بھر سنسان فضاؤں میں اکیلے ٹمٹماتے رہتے ہیں۔ میری زندگی بھی ستارے کی طرح اداس اور تنہا ہے۔"

جس جگہ میں چھپا ہوا بیٹھا تھا وہ ایسی تھی کہ اگر ذرا بھی ہلتا تو نظر آ جاتا۔ اس لیے میں ان کا تعاقب نہیں کر سکا۔ اب وہ دونوں واپس آ رہے تھے۔ رضیہ کہہ رہی تھی۔

"اول تو آپ ان سب کو ستارے نہیں کہہ سکتے۔ ستارے وہ ہیں جو سیاروں کی طرح گردش نہیں کرتے مثلاً سورج ستارہ ہے۔ ہر ستارے کے گرد کئی سیارے گھومتے ہیں۔ اجرام فلکی اتنی حسین چیزیں ہرگز نہیں جتنی آپ سمجھتے ہیں۔ ان میں سے اکثر اجاڑ اور بے نور ہیں۔" وہ دونوں دور نکل گئے۔

اس مرتبہ لوٹے تو شیطان بڑے پر درد انداز میں کہہ رہے تھے۔ "خدایا کیا اسرار ہے کہ جس سے محبت کرنے لگو اس کا دل پتھر کا سل بن جاتا ہے۔ بالکل بے حس۔ اس پر اتنا سا بھی تو اثر نہیں ہوتا۔"

جب واپس آئے تو رضیہ کہہ رہی تھی۔ "آپ نے یہ کیا فورڈ لگا رکھی ہے۔ فورڈ کا بیوک سے کوئی مقابلہ نہیں۔ فورڈ تو ان کاروں میں سے ہے جنہیں آج خریدو تو دو سال کے بعد کھینچنے کے لئے بیلوں کی جوڑی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔"

کچھ دیر کے بعد وہ میرے قریب سے پھر گزرے۔ اس مرتبہ شیطان نے رضیہ کی کلائی تھام رکھی تھی۔ اس کی ننھی سی گھڑی کو بالکل آنکھ سے لگا رکھا تھا۔ اور کہہ رہے تھے۔ "زمین اپنے محور کے گرد تقریباً آٹھ سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے گھوم رہی ہے۔ اس لئے اب تک Aeronautics سے اس کا کوئی تنازعہ نہیں ہوا۔ اب Propulsion Jet سے انقلاب آ جائے گا اور ہوائی جہاز ہزار میل فی گھنٹے کی رفتار سے اڑا کریں گے' لہٰذا زمین سے آگے نکل جایا کریں گے۔ ہمارے موجودہ وقت کا نظام بے کار ہو جائے گا۔ اور تمہاری یہ پیاری سی گھڑی بھی بالکل بے کار ہو جائے گی۔" اتنے میں جھاڑی میں کسی نے زور سے چھینک ماری۔ پھر ننھے میاں سرپٹ بھاگتے ہوئے دکھائی دیئے۔

میں اور شیطان موٹر سائیکل پر واپس آ رہے تھے۔ ہوا تیز تھی اور وہ پیچھے بیٹھے تھے۔ اس لیے چلا چلا کر میرے کان میں باتیں کر رہے تھے۔ ننھے میاں کے متعلق بے حد لطیف جذبات کا اظہار ہو رہا تھا۔

"اس مردود بچے کو رشوت دینی پڑے گی۔"

"لیکن اس میں اس کا کیا قصور۔ عشق' مشک اور چھینک چھپائے نہیں چھپتی۔ یہ بتاؤ کہ آج باتیں کیسی ہوئیں؟"

"ایک ماڈرن لڑکی کے ساتھ اس سے زیادہ رومانی گفتگو ناممکن تھی۔ بس سمجھ لو کہ حالات بڑے امید افزاء ہیں۔"

"اور وہ کریمہ، زینہ، مہینہ؟"
"تم نام غلط مت لیا کرو۔"
میں چند دنوں کے لئے باہر چلا گیا۔ واپسی پر مجھے بتایا گیا کہ شیطان دن میں آٹھ دس مرتبہ فون کرتے تھے، جو غریب فون پر بولتا اس پر بے حد خفا ہوتے جیسے جان بوجھ کر میری نقل و حرکت چھپا رہا ہو۔

معلوم ہوا کہ محض میری وجہ سے ان کی پارٹی ملتوی ہو گئی جس میں وہ تینوں لڑکیاں مدعو تھیں۔ پوچھا کہ پارٹی کس تقریب میں ہو رہی ہے؟ بولے ابھی تک تو سوچا نہیں۔ دراصل شیطان انہیں اتنی دفعہ مدعو کر چکے تھے کہ تمام معقول بہانے ختم ہو گئے تھے۔ آخر فیصلہ ہوا کہ جنوبی امریکہ یا غالباً شمالی افریقہ کی ایک چھوٹی سی ریاست کو جو خود مختارانہ حقوق ملے ہیں اس خوشی میں ہم ایک شاندار پارٹی دیں۔
شیطان کی ایسی پارٹیوں سے میں بہت گھبراتا ہوں۔ ایک تو وہ اتنا بڑا ہجوم اکٹھا کر لیتے ہیں کہ کسی جلسے کا شبہ ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ خود آپے سے باہر ہو جاتے ہیں۔ ایسے موقعوں پر میں ہمیشہ دیر سے پہنچتا ہوں۔ دور بیٹھا ہوں۔ دوسرے لوگوں سے باتیں کرتا رہتا ہوں۔ سب سے پہلے چلا آتا ہوں۔ ہر ممکن طریقے سے یہ جتا دیتا ہوں کہ پارٹی سے میرا کوئی تعلق نہیں۔
چنانچہ میں دیر لگا کر پہنچا۔ شیطان سڑک پر کھڑے تھے۔ مجھے دیکھ کر انہوں نے کسی خاص مسرت کا اظہار نہیں کیا۔ ان کا چہرہ جوں کا توں رہا۔ آنکھیں جس سمت میں تک رہی تھیں اسی سمت میں تکتی رہیں۔ میں سمجھا کہ خفا ہو گئے ہیں۔ قریب گیا پھر بھی وہ اسی طرح ہوا میں دیکھتے رہے۔ میں نے اشارے کئے، ہاتھ ہلائے، سر ہلایا۔ لیکن کچھ نہ ہوا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ علیل ہو گئے ہوں۔ پھر مجھے ان کی عینک یاد آ گئی جس کے بغیر وہ اپنے آپ کو بھی اچھی طرح نہیں دیکھ سکتے۔ میں نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ اور وہ دفعتہ اچھل پڑے۔

جب ہم جلدی جلدی سڑک عبور کر رہے تھے تو شیطان سر کے بل ایک سائیکل میں جا

گھسے۔ اتفاق سے سائکل چل رہی تھی اور اس پر ایک شخص سوار تھا۔ اس نے ایک قلابازی کھائی اور دراز ہونے کے لئے اسی جگہ چنی جہاں گارا اور کیچڑ تھا۔

شیطان نے بڑے انکسار سے "آئی ایم سوری" کہا اور آگے چل دیئے۔ میں نے انہیں روکا۔

"اسے اٹھائیں؟"

"ضرورت تو نہیں' میں نے سوری کہہ دیا۔" شیطان نے جواب دیا۔

"ذرا سہارا دے دیں۔"

"لیکن کہہ تو دیا سوری۔"

"مگر وہ خود نہیں اٹھ سکتا۔"

"تو میں کیا کروں۔ میں نے سوری کہہ دیا ہے اسے اور کیا چاہیے؟"

ہم کیفے میں داخل ہوئے۔ باہر پلاٹ میں کرسیاں بچھی ہوئی تھیں اور آرکیسٹرا بج رہا تھا۔ لوگوں میں سے گزرتے ہوئے شیطان نے ایک کتے کی دم پر پاؤں رکھ دیا۔ کتے نے ایک عظیم الشان نعرہ لگایا۔ شیطان مڑے اور کتے کی طرف جھک کر سوری کہہ دیا۔

میں نے ان تینوں لڑکیوں کو سلام کیا۔ مجھے ان کے نام ابھی تک یاد نہیں ہوئے تھے۔ چنانچہ میں نے کوشش شروع کر دی۔ اتنے میں ایک بورژوا قسم کا کتا کرسی پر آ بیٹھا اور میز پر رکھی ہوئی چیزوں کو سونگھنے لگا۔ شیطان نے غالباً اسے ادنیٰ بازاری کتا سمجھ کر زور سے ڈانٹا اور پتھر اٹھانے کی نیت سے ایک ہاتھ زمین کی طرف لے گئے۔ کتا ڈرا بالکل نہیں۔ اس نے شیطان کو حقارت بھری نگاہوں سے دیکھا۔ ساتھ کی میز سے آواز آئی۔ "جیکی واپس چلے آؤ۔"

لڑکیوں نے شیطان کی اس حرکت پر اظہار افسوس کیا کہ اتنے اچھے خاندانی کتے کو خفا کر دیا۔ شیطان بولے۔ "بات یہ ہے کہ آج تک کوئی کتا میری زندگی میں داخل نہیں ہوا۔"

جب لڑکیاں قہقہے لگا رہی تھیں' شور مچا رہی تھیں اور آرکیسٹرا جاز کی گت بجا رہا تھا

تو شیطان نے چپکے سے مجھ سے عہد کرایا کہ میں کبھی انہیں عینک کے سلسلے میں نہیں ٹوکوں گا اور ان کی کمزوری کو صیغہ راز میں رکھوں گا۔

گفتگو کے موضوع صرف دو تھے۔ پہلا موضوع شادی تھا اور دوسرا موضوع بھی شادی تھا۔

شیطان کریمہ کے ساتھ لگے ہوئے اس کی بائیں آنکھ کو بڑی للچائی ہوئی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔

وہ کہہ رہی تھی۔ "میں تو ایسے شخص سے شادی کروں گی جو دولت مند ہو' صاف گو اور دلیر ہو۔ صاحب عزت اور صاحب دماغ ہو۔ نمایاں شخصیت کا مالک ہو۔ اور مشہور و معروف ہو۔"

"تم نے دیر لگا دی۔" شیطان بولے "مسز چرچل اس شخص کو کبھی کی ہتھیا چکی ہیں۔"

"میرا انتخاب آخری ہو گا۔" جیسے انہوں نے شیطان کی بات ہی نہیں سنی

"اور جسے میں نے پسند کیا اس کے ساتھ جہنم میں بھی رہنے کو تیار ہوں گی۔"

"تم نے اپنی اور اس خوش نصیب کی منزل خوب چنی ہے۔" شیطان نے لقمہ دیا اور کچھ اور قریب ہو گئے۔ اتنے کہ جب وہ باتیں کرتے تو کریمہ کی عینک کے شیشے دھندلے ہو جاتے اور اسے بار بار صاف کرنے پڑتے۔

شیطان نے کچھ اور قریب ہو کر بجلی کے ایک بہت بڑے قمقمے کی طرف اشارہ کیا جسے وہ غالباً چاند سمجھے تھے۔ میں نے جلدی سے ان کا ہاتھ پکڑ کر چاند کی طرف کر دیا جو درختوں سے طلوع ہو رہا تھا۔ انہوں نے چاند کی تعریف کی' نظارے کو سراہا اور کریمہ سے رائے طلب کی۔

"چاند اچھا ہے' تارے بھی برے نہیں' پیسٹری اچھی ہے صرف اس میں مکھن زیادہ ہے۔" جواب ملا۔

شیطان نے بیرے کو بلایا اور ایک کاغذ پر کچھ لکھ کر دیا۔ "یہ آرکیسٹرا والوں کو دے دو۔ ایسے حسین ماحول میں کوئی اچھا سا والز سننے کو جی چاہتا ہے۔"

"اور واپس آتے وقت کچھ گرم گرم [illegible] لیتے آنا۔" [illegible]۔

آرکیسٹرا والے شاید شیطان کے رقعے کے منتظر ہی تھے' ابھی بیر وہ وہاں تک پہنچا نہ تھا کہ والز شروع ہو گیا۔ شیطان کریمہ کے کچھ اور قریب آ گئے۔

"کیا خیال ہے؟" انہوں نے جھک کر آرکیسٹرا والوں کی طرف اشارہ کیا اور کریمہ کی عینک کے شیشے دھندلے کر دیئے۔

"ذرا نمک زیادہ ہے' آپ بھی چکھیے۔" اس نے طشتری سامنے کر دی۔

ذرا سی دیر میں دوسرا والز بج رہا تھا اور شیطان سفینہ سے گھل مل کر باتیں کر رہے تھے۔ وہ اپنے خاندان کے قصیدے سنا رہی تھیں کہ ان کے خاندان میں کوئی ستر فیصدی خان بہادر تھے' بیس فیصدی نواب زادے اور باقی صاحبزادے۔ بچے یورپین گورنسوں کے ساتھ عمر بھر رہتے تھے۔ لڑکیاں کانونٹ میں پڑھتی تھیں۔ تعلیم ختم ہونے سے پہلے ہی ان کی شادی کسی امپیریل سروس والے سے ہو جاتی جو انہیں سیدھا انگلینڈ لے جاتا تھا۔ اس کے بعد کیا ہوتا تھا؟ اس کا ذکر اس نے نہیں کیا۔

اس نے شیطان کے آباء و اجداد میں بھی دلچسپی ظاہر کی اور ان کے متعلق دریافت کیا۔

شیطان نے پہلے تو ٹال مٹول کی' جب اصرار بڑھا تو بولے۔ "جی ہمارا شجرہ نسب صدیوں پہلے لنگوروں سے جا ملتا ہے۔ غالباً ڈارون کی تھیوری پر تو آپ کا بھی اعتقاد ہو گا۔ لہٰذا آپ کے بزرگ اور ہمارے بزرگ اکٹھے ہی رہا کرتے تھے۔"

تیسرا والز شروع ہوا اور شیطان رحیمہ کے ساتھ آ بیٹھے۔ کریمہ اور سفینہ باتیں آپس میں کر رہی تھیں اور منہ میری طرف کر رکھا تھا۔

میں نے مغز کے کباب ان کی طرف بڑھا کر کہا۔ "لیجیے دماغ کھایئے۔" اور ایک کباب پر تھوڑا سا شوربہ ڈال کر دوسری کی طرف بڑھا دیا۔

وہ کچھ جھجکیں' میں مصر رہا۔ "کھایئے بھی مغز۔ آپ تو تکلف کرتی ہیں۔" اب ریکارڈ بج رہے تھے گویا Caruso نہایت دلکش نغمہ الاپ رہا تھا۔ رحیمہ اور شیطان نہایت ذہین قسم کی گفتگو کر رہے تھے۔

"اب مجھے ہی لیجئے۔ مجھ پر ایسے دورے اکثر پڑتے ہیں اور میں اس قدر پریشان ہو جاتا ہوں کہ جب سوتا ہوں تو جاگتا رہتا ہوں۔ بس ایک وہم سا مجھ پر سوار ہو جاتا ہے کہ شاید میں اتنا عظیم انسان نہیں ہوں جتنا کہ ہوں۔"

"یہ گاتا کیسا ہے؟" رحیمہ نے پوچھا۔
"کروسو کو احساس کمتری تھا۔ وہ بالکل چھوٹا سا ٹھگا ہوا آدمی تھا۔ تبھی اس کے گانے میں اتنا سوز ہے۔ یا اس کا گلا اتنا سریلا تھا یا اسے زکام کی شکایت رہتی ہو گی۔ غالباً وہ انگریزی کے پکے گانے گاتا تھا۔"

اب سناٹرا کا ریکارڈ بج رہا تھا۔
"یونہی منحنی سا فاقہ زدہ انسان ہے یہ سناٹرا۔" ایک لڑکی بولی۔
"اور مقصود صاحب؟" کسی نے مقصود گھوڑے کے متعلق پوچھا۔ وہ بھی کبھی کبھی گایا کرتا تھا۔
"آدمی تو فضول سے ہیں لیکن ان کے پاس کار نہایت عمدہ ہے۔" سفینہ بولی۔
شیطان کے کان کھڑے ہوئے۔ ان دنوں مقصود گھوڑے سے ان کے تعلقات خوشگوار نہیں تھے۔
"آپ کے وہ دوست آپ کے ساتھ کبھی نہیں آئے۔" کریمہ نے پوچھا۔
"یہ چاکلیٹ کی پیسٹری نہیں چکھی آپ نے۔" شیطان نے جواب دیا۔
"ان کی کار واقعی نہایت خوبصورت ہے۔ وہ ہمیشہ ہوتے بھی اکیلے ہیں۔"
"بیرہ!" شیطان چلائے۔ "تم کچھ سموسے کھاؤ گی؟"
"کافی کھا چکی ہوں، چلئے آپ کے لئے کھا لوں گی۔"
"دیر ہو گئی ہے، کیا وقت ہو گا؟" کریمہ نے پوچھا۔
"دس بجنے میں بیس منٹ ہیں۔" میں نے بتایا۔
"تو چلیں۔" اس نے کہا۔
"نہیں۔ تمہاری گھڑی آگے ہے۔" شیطان بولے "صرف نو بج کر چالیس منٹ ہوئے

ہیں۔

جب ہم کیفے سے باہر نکلے تو شیطان کہیں غائب ہو گئے۔ دیکھا تو ایک اور تانگے میں بیٹھے ہیں۔ چونکہ میں عہد کر چکا تھا کہ ان کی بینائی کا ذکر نہیں کروں گا اس لیے خاموش رہا۔

مقصود گھوڑا مانگی ہوئی کار میں مجھ سے ملنے آیا اور لڑکیوں سے متعارف ہونے کی خواہش ظاہر کی۔ میں نے کہا کہ شیطان سے پوچھو۔ شیطان بڑے خفا ہوئے کہ خبردار جو کسی نے میری لڑکیوں کی طرف دیکھا بھی ہے تو۔ شاید وہ مقصود گھوڑے کی مانگی ہوئی کار سے گھبراتے تھے۔ پھر میری طرف دیکھ کر بولے "اور تم اپنا قرض کیوں نہیں چکاتے۔ لاؤ کہاں ہیں تین لڑکیاں۔ کہیں سے تین لڑکیاں ڈھونڈ کر لاؤ اور ان تینوں کے ساتھ شامل کرو۔"

ادھر جیسے حادثوں کی بارش شروع ہو گئی اور حادثے موسلا دھار برسنے لگے۔ شام کو کلب گیا۔ دیکھتا ہوں کہ چند فلاسفر قسم کے معنک حضرات شیطان کو گھیرے بیٹھے ہیں۔ ایسی گرما گرم بحث ہو رہی ہے کہ کمرے کا درجہ حرارت کافی بڑھ گیا ہے۔ ایک صاحب جنہوں نے اپنے آپ کو کامریڈ مشہور کر رکھا تھا اور شاید کامریڈ تخلص بھی کرتے تھے' شیطان کے چہرے میں اپنی عینک ٹھونسے ایک اور کامریڈ کی باتیں کر رہے ہیں جو کسی دوسرے براعظم سے تعلق رکھتے تھے۔

"وہ چوڑے دار موٹے ہیں۔ شاید اس لئے وسیع خیالات کے انسان ہوں گے۔" شیطان بولے۔

"وہ نہایت تجربہ کار عالم ہیں۔" کامریڈ بولے۔

"اور تجربہ کیا ہے؟ غلطیوں کا دوسرا نام۔ میں تو انہیں اول نمبر کا قنوطی انسان سمجھتا ہوں۔ حالانکہ انہیں انسان سمجھنا بھی زیادتی ہے۔"

"وہ کروڑوں مردوں کے لیڈر ہیں۔"

"یہی تو مصیبت ہے کہ وہ مردوں [illegible] Follower سے

ہے۔"

"عورتوں کا فالوور نہیں' عورتوں کے فالوور کہئے۔" وہ چلائے۔

"عورتوں کا فالوور ... کا فالوور ... کا فالوور..." شیطان نے میز پر مکا مارا۔ دونوں اٹھ کھڑے ہوئے اور تھر تھر کانپنے لگے۔

"میرے ساتھ ذرا باہر چلو۔" شیطان ان کی گردن پکڑ کر چیخے۔

ہم انہیں باہر لے آئے۔ روشن سڑکوں سے دور ایک تاریک گوشے میں اس ڈوئل کی تیاریاں شروع ہوئیں۔ شیطان نے ان کی عینک کی طرف اشارہ کرکے کہا۔

"یہ کیا تم نے پہن رکھا ہے اپنی طوطے جیسی ناک پر؟ اسے اتار دو' ورنہ میں تمہیں پیٹنے سے انکار کرتا ہوں۔" انہوں نے عینک زمین پر دے ماری۔

اب لڑائی شروع ہوئی۔ ہم نے ان دونوں کو دور دور لے جا کر چھوڑ دیا۔ اچھا خاصا اندھیرا تھا۔ غالباً کامریڈ صاحب کی بینائی بھی شیطان کی طرح بے حد کمزور تھی۔ پہلے دونوں نے آستین چڑھائیں اور پھر ہوا میں مکے لہراتے ہوئے ایک دوسرے کے قریب سے گزر گئے۔ کامریڈ نے دفعتہً ایک نعرہ بلند کیا اور ایک درخت کے تنے کو پیٹ ڈالا۔

"کدھر دفع ہو گئے؟" انہوں نے اپنا ہاتھ سہلاتے ہوئے پوچھا۔

"اور تم کہاں ہو؟" شیطان نے بالکل ان کے قریب سے گزرتے ہوئے دریافت کیا۔

پھر دیکھتے دیکھتے شیطان تڑپے اور ایک سمت میں بھاگے۔ ہوا میں ایک مکہ جو گھمایا تو اتفاق سے کامریڈ کی کمر میں لگا۔ انہوں نے پیچھے مڑ کر ادھر ادھر دیکھا اور طیش میں آ کر چلائے۔ "یہ مکا مجھے کس نے مارا ہے؟ تماشائی ایک طرف رہیں۔ اگر میں نے کسی کو شرارت کرتے دیکھ پایا تو برا سلوک کروں گا۔"

ہم میں سے باری باری ہر ایک ان کے قریب سے گزرتا۔ ان دونوں کی توجہ ہماری طرف زیادہ تھی۔ منٹ منٹ کے بعد وہ چلا چلا کر ایک دوسرے سے پوچھتے۔ "تم کہاں ہو؟" اس کے بعد کبڈی سی شروع ہو جاتی۔ ایک مرتبہ تو وہ مختلف سمتوں میں اتنے دور چلے گئے کہ ہم پکڑ کر واپس لائے۔

غرضیکہ آدھ گھنٹے تک گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ ساری لڑائی میں صرف ایک مکا کار آمد ثابت ہوا۔ جو شیطان کا تھا اور کامریڈ صاحب کی کمر میں اتفاقاً جا لگا تھا۔

اس کے بعد دیر تک دیا سلائیاں جلا جلا کر کامریڈ صاب کی عینک ڈھونڈتے رہے۔

شیطان بدنام ہوتے جا رہے تھے۔ لوگ شکایتیں کرتے کہ مغرور ہو گیا ہے پہچانتا نہیں۔ سامنے سے نکل جاتا ہے۔ دیکھ لیتا ہے اور سلام تک نہیں کرتا۔ سلام کا جواب نہیں دیتا۔

گھر میں پردے پر بحث ہو رہی تھی۔ شیطان کا خیال تھا کہ پردہ سرد ملکوں کے لئے نہایت مفید چیز ہے۔ نزلے زکام وغیرہ کے بچاؤ کا نہایت اچھا ذریعہ ہے۔ لیکن گرم ملکوں کے لئے اتنا کارآمد نہیں۔ گرم ملکوں میں صرف سردیوں میں پردہ کرنا چاہیے۔ گرمیوں میں ململ کے لباس میں بھی سب کا اتنا برا حال ہو جاتا ہے' برقع پہن کر نہ جانے کیا حالت ہو گی۔ جو لوگ پردے کے زیادہ حامی ہیں اور بہت شور مچاتے رہتے ہیں' ان سب کو جون جولائے اگست میں برقعہ پہنا دیا جائے اور ستمبر میں رائے پوچھی جائے۔

باتیں ہو رہی تھیں کہ شیطان نے ان کو بڑے غور سے گھورا اور بولے "معاف کیجئے حضرت میں نے آپ کو کہیں دیکھا ہے۔"

"ضرور دیکھا ہو گا۔"

"آپ کا چہرہ کچھ مانوس سا معلوم ہوتا ہے۔"

"سچ مچ؟"

"لیجئے سگریٹ پیجئے۔ معاف فرمایئے میں چہرے یاد رکھ سکتا ہوں۔ نام یاد نہیں رکھ سکتا۔"

شیطان نے ادھر ادھر کی باتیں شروع کر دیں اور خالو کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ شیطان کے خالو جو خفا ہوئے ہیں تو بس۔

پھر ایک اور تماشا ہوا۔ شام کو شیطان سفینہ کو لینے اس کے گھر گئے اور غلطی سے پڑوس کے کسی ویسے ہی مکان میں جا گھسے۔ نمبر تو انہیں نظر ہی نہیں آتے تھے بس "اندازً" مکانوں میں چلے جایا کرتے۔ پھاٹک' میدان' برآمدہ' عبور کرتے ہوئے اندر پہنچے۔

ابھی حدود اربعہ سے اچھی طرح واقف نہیں ہوئے تھے کہ آواز آئی۔ "کون ہے؟"
اس کے بعد کھسر پھسر ہوئی اور قدموں کی چاپ سنائی دی۔ شیطان نے اپنی طرف سے

سفینہ کی امی کے کمرے کا رخ کیا جو مقابلتاً محفوظ جگہ تھی۔ کمرے کی تصویریں دیکھ کر انہیں شبہ سا ہوا کہ شاید کسی اور کے گھر چلے آئے ہیں۔ ایک خوبصورت سی لڑکی کی تصویر دیکھ ہی رہے تھے کہ چنگھاڑ سی سنائی دی۔ "اچھا تو تم ہو!" ایک عمر رسیدہ بزرگ ہاتھ میں لٹھ نما چھڑی لیے داخل ہوئے۔

"تو تم ہی وہ لڑکے ہو جس نے ہم سب کی زندگی تلخ کر رکھی ہے۔ یہ بتاؤ کہ تم چاہتے کیا ہو؟"

"باہر جانا چاہتا ہوں۔" شیطان ہکے بکے رہ گئے۔ انہوں نے بزرگ کو پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔

"میں نے سنا ہے کہ تم ہر ایک سے کہتے پھرتے ہو کہ تم لڑکی کو دیکھنا چاہتے ہو۔ آج تمہاری یہ ضد بھی پوری ہو جائے گی۔ ابے او فتو لا اس مقصودن کا یہاں۔"

جیسا نام تھی ویسی ہی ایک لڑکی کمرے میں آ گئی۔

"لو یہ ہے وہ' اب اسے دیکھ لو۔ نیچے کیا دیکھ رہے ہو؟ اس کی طرف دیکھو۔"

شیطان دیکھنے لگا۔

"دیکھ چکے کیا؟"

"جی ہاں"

"اچھا جاؤ۔" شیطان چلنے لگے۔

"نہیں تم نہیں' میں نے لڑکی سے کہا ہے۔ اور یہ بتاؤ کہ تم اپنے عزیزوں کی طرف سے پیغام کیوں نہیں بھجواتے؟ یوں بدنام کیوں کرتے پھرتے ہو؟ اس طرح چوروں کی طرح گھر میں گھسنا شریف آدمیوں کا کام ہے کیا؟"

"جی آپ کی بینائی کمزور تو نہیں؟ یا کہیں عینک تو نہیں کھوئی گئی؟" شیطان نے ادب سے پوچھا۔

"ادھر ادھر کی باتیں مت کرو۔ میرے سوال کا جواب دو۔"
"جناب میں اس اعزاز کے قابل نہیں ہوں۔ میں شریف آدمی ہرگز نہیں ہوں۔ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں تو ان لوگوں میں سے ہوں جو شرابی' کبابی اور جواری ہوتے ہیں۔"

اور ایسے سرپٹ بھاگے کہ دس پندرہ منٹ تک کمروں کے اندر ہی دوڑتے رہے۔ بڑی مشکل سے باہر نکلنے کا راستہ ملا۔
مجھے سب کچھ سنایا تو میں نے پوچھا کہ تم نے جھوٹ کیوں بولا؟ شیطان نے کہا کہ انگریزی دوائیوں اور وٹمو کی بوتلوں میں الکوحل کی ذرا سی مقدار ہوتی ہے۔ کباب ہم خوب کھاتے ہیں اور برج بھی کھیلتے ہیں جو سراسر جوا ہے۔ لہٰذا ہم سب شرابی' کبابی اور جواری ہیں۔
میں نے بہت مجبور کیا کہ خدا کے لئے کہیں سے عینک لگوا لو اور شریفوں کی زندگی بسر کرنے لگو۔ وہ ہر بار یہی کہتے کہ تم مجھے برا بھلا کہہ لو۔ ڈانٹ لو لیکن عینک کا ذکر مت کیا کرو۔ میرے دل کو صدمہ پہنچا ہے۔ آخر بڑی بحث کے بعد وہ مانے اور ایک عینک ساز کو نمبر دے آئے۔ اگلے ہفتے ہم عینک لینے گئے۔ دکان میں مجسمے رکھے ہوئے تھے جن کے چہروں پر عینکیں لگی ہوئی تھیں۔ شیطان سیدھے ایک بڑے سارے مجسمے کی طرف گئے اور مسکرا کر بولے۔ "آداب عرض' میری عینک تیار ہو گئی یا نہیں؟"
میں نے جلدی سے ان کا منہ دکاندار کی طرف کیا جو بالکل دوسری طرف تھا۔
عینک لگا کر وہ ضد کرنے لگے کہ موٹر سائیکل چلائیں گے۔ چنانچہ مجھے پیچھے بیٹھنا پڑا۔
ہم کچھ دور ہی نکلے ہوں گے کہ وہ چلائے ہٹو' ہٹو' ایک طرف ہو جاؤ۔ موٹر سائیکل جھومی اور بڑے زوروں سے جھاڑیوں میں جا گھسی۔ ہم دونوں دور دور گرے۔ شیطان کپڑے جھاڑتے ہوئے اٹھے اور میری طرف دیکھ کر کہنے لگے۔ "قبلہ معاف کیجئے' میں نے ہارن نہیں دیا تھا۔ ویسے آپ کو فٹ پاتھ پر چلنا چاہیے تھا۔"
میں نے انہیں ڈانٹا کہ مجھ سے کیا کہہ رہے ہو جس سے ٹکرائے

ہو اس سے کہو۔ ہم نے اس شخص کو بہت ڈھونڈا جس سے ٹکر ہوئی تھی مگر سڑک خالی پڑی تھی۔ غالباً شیطان کسی غیر مادی چیز سے ٹکرا گئے تھے۔ جو دیکھتا ہوں تو ان کی عینک چہرے پر نہیں ہے۔ پوچھا تو معلوم ہوا کہ جیب میں رکھ لی تھی۔

ساڑھے چار بجے میں چائے پینے جج صاحب کے ہاں پہنچا تو وہاں چار بج کر تیس منٹ ہوئے تھے۔ معلوم ہوا کہ حکومت آپا موٹر سائیکل چلانا سیکھ رہی ہیں۔ جج صاحب اکیلے بیٹھے فائلیں دیکھ رہے تھے۔ کوئی آدھ گھنٹے تک ہم اسی طرح بیٹھے رہے۔ جج صاحب فائلیں دیکھنے میں منہمک رہے اور میں انہیں منہمک رہتے دیکھنے میں منہمک رہا۔ دفعۃً وہ چونکے۔ "چائے پیو برخوردارو۔"

اور کچھ نئی فائلیں اٹھا کر پڑھنے لگے۔

کچھ دیر بعد پھر چونکے۔ "چائے پیو۔ پیتے کیوں نہیں؟"

میں نے بڑی ساری چائے دانی کو اٹھایا۔ وہ یک لخت اوپر چلی گئی۔ معلوم ہوا کہ خالی ہے۔ ڈھکنا اٹھا کر دیکھا تو اندر صرف چائے کی پتیاں تھیں۔

"آخر تم چائے کیوں نہیں پیتے؟" انہوں نے خفا ہو کر کہا۔

"جی چائے دانی خالی ہے۔"

"اچھا؟" انہوں نے میز پر رکھے ہوئے برتنوں کا جائزہ لیا۔ "تو اس پیالے میں دودھ ہو گا۔ دودھ پیو گے۔"

میں نے جھانک کر دیکھا۔ دودھ بھی نہیں تھا۔ "جی دودھ بھی نہیں ہے۔"

"تو پھر؟" انہوں نے شکر دانی کی طرف اشارہ کیا۔ "تھوڑی سی چینی چکھو۔"

فائلیں ختم کرکے وہ بڑے ملائم لہجے میں نوکروں پر خفا ہو کر مجھے کلب لے گئے۔ وہاں شکار کی باتیں ہونے لگیں۔ جج صاحب کے متعلق کلب میں مشہور تھا کہ اگر کوئی ان سے صرف اتنا کہہ دے کہ پچھلے مہینے جب میں فلاں تالاب یا دریا کے پاس سے گزر رہا تھا تو وہاں ایک مرغابی بیٹھی تھی تو وہ فوراً بندوق لے کر اس جگہ جا پہنچیں گے اور اس وقت تک منتظر رہیں گے جب تک وہ مرغابی یا کوئی اور مرغابی واپس نہیں آتی۔

ان کے دوست ان کی نئی بندوق کی تعریفیں کر رہے تھے کہ اس بندوق کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ سلوموشن میں فائر کرتی ہے اور فائر کی آواز کے بعد گولی جاتی ہوئی بھی دکھائی دیتی ہے۔

یعنی پہلے بندوق چلنے کی آواز آتی ہے پھر نشانہ خطا ہوتا نظر آتا ہے۔ کیونکہ اتنی دیر میں جانور یا پرندہ چوکنا ہو جاتا ہے اور پینترہ بدل کر وار صاف بچا جاتا ہے۔

واپسی میں ان کی کار خراب ہو گئی۔ مجھے کہا گیا کہ ہینڈل لگاؤں۔ کافی محنت کے بعد موٹر اسٹارٹ ہوئی۔ ابھی میں ہینڈل ہاتھ میں لیے یہی سوچ رہا تھا کہ یہ بار بار پھسلتا کیوں تھا کہ فر سے آواز آئی اور کار سامنے سے غائب تھی۔ سڑک کافی ویران تھی اس لیے دور تک ہینڈل ہاتھ میں لے کر پیدل چلنا پڑا۔ گھر پہنچ کر جج صاحب نے جرح شروع کر دی۔ "تم کہاں رہ گئے تھے؟" لڑکوں میں یہ اچھل کود کی عادت بہت بری ہے۔ چلتی موٹر سے ہرگز نہیں اترنا چاہیے۔ اور یہ ہینڈل تمہارے ہاتھ میں کیوں ہے؟"

کوٹھی کے دوسری طرف جا کر دیکھا تو شیطان اور ننھے میاں کو محو گفتگو پایا۔

"ننھے آج تمہاری رضو آپا کیسی لگ رہی تھیں؟" شیطان نے پوچھا۔

"جیسی لڑکیاں لگا کرتی ہیں۔ فقط آج ان کی قمیض بہت اچھی تھی۔"

"ننھے تمہارے لیے اس اتوار کو کیا لاؤں؟"

شیطان ہر اتوار ننھے کو رشوت دیتے جو چیز دیتے اسے اگلے اتوار تک چپکے سے چرا لیتے اور پھر الٹا ننھے کو ڈانٹتے کہ کہاں گئی۔

"بتاؤ تمہیں کیا چیز پسند ہے؟"

ننھا سوچ کر بولا۔ "مجھے پیکارڈ کا نیا ماڈل بہت پسند ہے۔"

بیگم آ رہی تھیں۔ ننھے نے جلدی سے کتاب کھول لی۔

"افوہ بیٹا پڑھ رہا ہے۔" بیگم بولیں۔ "روفی میاں تم اس سے کچھ سوال بھی تو پوچھا کرو۔"

جب بیگم آتیں تو ہمیں خواہ مخواہ ننھے کا امتحان لینا پڑتا۔

ہم نے اسے ترجمہ کرنے دیا۔ سٹیفن لی کاک کے مضمون سے ننھے نے نہایت سلیس ترجمہ کیا۔ یہاں تک کہ آخیر میں مصنف کے نام کا بھی ترجمہ کر ڈالا اور لکھا "سٹیفن

لی مرغ"

"بیٹے بڑے ہو کر تم کیا بنو گے؟" بیگم نے بڑے فخر سے پوچھا۔

"جی میں پہلے تو ایم اے کروں گا۔ اس کے بعد پہلی جماعت میں پھر داخل ہو کر دوبارہ ایم اے تک پڑھوں گا۔ یعنی ڈبل ایم اے کروں گا۔ اس کے بعد وکالت پڑھ کر خفیہ مشق کیا کروں گا۔"

"خفیہ مشق؟"

"ذاتی مشق" ننھے میاں نے جواب دیا۔

"وہ کیا ہوتی ہے؟"

"پرائیویٹ پریکٹس! ترجمہ کیا ہے۔" ننھے میاں بولے۔

"کچھ مستورات آ رہی ہیں۔" ملازم نے بتایا۔

"بھائی جان مستورات کا واحد کیا ہوتا ہے؟"

"مستور" شیطان نے بتایا۔

"واہ! یہ بھی کبھی سنا ہے کہ ایک مستور آ رہی ہے۔"

خواتین آئیں جنہیں میں نے تو پہچان لیا لیکن شیطان یونہی ہوا میں تکتے رہے۔

"یہ کون لوگ ہیں؟" انہوں نے بڑی بے اعتنائی سے پوچھا۔

"پہچانتے نہیں! تمہارے خالو کی لڑکیاں ہیں۔" بیگم بولیں۔

بیگم جب کبھی شیطان کے خالو کی چھ لڑکیوں کو لے کر نکلتیں تو شیطان کہا کرتے۔

"وہ آ رہی ہیں بیگم معہ چھ تکبیروں کے۔" بیگم چاہتی تھیں کہ رات کا کھانا ہم وہیں کھائیں۔ "آج تمہارے لیے حلووں کا انڈہ پکا ہے۔"

سامنے باورچی خانے میں ایک بلی بڑے مزے سے دودھ پی رہی تھی اور شیطان کے خالو

کی سب سے چھوٹی لڑکی پاس کھڑی اپنے رنگین ناخن دیکھ رہی تھی۔ بیگم چلائیں۔ "اے بلی! ذرا پیچھے مڑ کر دیکھنا۔ وہ ننھی دودھ پی رہی ہے۔"

وہ سب چلے گئے تو شیطان نے بتایا کہ ہفتہ ہوا کسی شخص نے خواب میں ان کی ہتک کی۔ انہیں برا بھلا کہا اور بڑے زور سے ان کے مکا بھی مارا۔ وہ ہر رات یہ نیت کرکے سوتے ہیں کہ اگر وہ شخص انہیں خواب میں مل گیا تو مار مار کر اس کا بھرکس نکال دیں گے۔

"بھائی جان کیا بہت زور سے مکا مارا تھا اس نے؟" ننھے نے پوچھا۔

"ہاں بہت زور سے۔"

"اتنے زور سے کیا؟" ننھے میاں نے ایک مکا شیطان کی کمر میں رسید کیا۔ شیطان کچھ دیر اپنے ہونٹ چباتے رہے۔ پھر ننھے کے قریب جا کر بولے۔ "اتنے زور سے نہیں' اتنے زور سے۔" اور ننھے میاں نے ایک زبردست نعرہ بلند کیا۔ پیشتر اس کے کوئی موقع پر پہنچتا شیطان نے زور زور سے ننھے کو ڈانٹنا شروع کیا۔ "اور چڑھو اونچے درختوں پر۔ پاؤں نہ پھسلے گا تو اور کیا ہو گا۔ اچھا ہوا گر پڑے۔" بیگم دوڑی آئیں اور اسے خوب دھمکایا چمکایا گیا۔

دن گزرتے جا رہے تھے۔ شیطان کا جوش و خروش ان تینوں لڑکیوں کے لیے تھا اتنا ہی رضیہ کے لیے تھا۔ یا یوں کہ جیسا جوش و خروش رضیہ کے لئے تھا ویسا ہی ان تینوں لڑکیوں کے لئے۔ ہر روز ان کے ارادے بدلتے رہتے۔" رضیہ مغرور ہے اور پروا نہیں کرتی۔ اس لیے کریمہ سے شادی بہتر رہے گی۔ خصوصاً جب اس کی بائیں آنکھ اتنی پیاری ہے۔" رحیمہ کے قہقہے نہایت سریلے ہیں اور ہمیشہ ہنستی رہتی ہے۔ وہ یقیناً بہتر بیوی ثابت ہو گی۔" پرانی محبت پھر پرانی محبت ہے' جو جذبات رضیہ کے لئے ہیں وہ کسی اور کے لئے نہیں ہو سکتے۔" سفینہ کی بہنیں کتنی خوبصورت ہیں۔ سفینہ سے شادی کرنا کس قدر مفید ہو گا۔"

ہر روز وہ غلط جگہوں پر چلے جاتے۔ غلط لوگوں سے الجھ جاتے۔ صحیح لوگوں کے قریب سے

گزر جاتے۔ اور موٹر سائیکلوں کے حادثے نہایت باقاعدگی کے ساتھ ہوتے لیکن انہوں نے عینک نہ لگوانی تھی نہ لگوائی۔

ادھر وہ لڑکیاں شیطان کی اس کمزوری سے واقف تھیں۔ وہ یہ بھی جانتی تھیں کہ میں جان بوجھ کر خاموش رہتا ہوں۔ ہفتے میں ایک آدھ مرتبہ شیطان کے ساتھ آ جاتیں۔ بقیہ شامیں اور لڑکوں کے ساتھ گزارتیں۔ جب کبھی کوئے خاص تقریب ہوتی تو وہ بن سنور کر ان حضرات کے ساتھ نکلتیں جن کے پاس کار تھی۔ ان کے جاننے والوں میں سے ایک صاحب گویے تھے جو ریڈیو پر پکے راگ گاتے تھے۔ ان کا رنگ پکا تھا۔ سنا تھا کہ ان کی آنکھیں نشیلی تھیں۔ چونکہ وہ ہر وقت آنکھوں پر سیاہ چشمہ لگائے رکھتے تھے اس لئے ہم ان کی نشیلی آنکھوں سے مستفیض نہ ہو سکے۔ ایک صاحب بیمہ کمپنی کے ایجنٹ تھے جو ہمیشہ تانگہ ساتھ لایا کرتے اور یہ بار بار جتاتے کہ وہ خود بیمہ شدہ ہیں' تانگہ بیمہ شدہ ہے' یہاں تک گھوڑا بھی بیمہ شدہ ہے۔ افواہ تھی کہ ان کے بال گھنگھریالے ہیں۔ لیکن صد حیف کہ جب کبھی ہم نے انہیں دیکھا قدرے گنجا پایا۔ ایک اور صاحب طالب علم تھے جو سفینہ کے ہم جماعت تھے۔ وہ کرائے کی سائیکل پر آیا کرتے تھے اور بار بار گھڑی دیکھتے رہتے۔

بعض اوقات سینما دیکھتے دیکھتے ایک لڑکی شیطان سے اجازت مانگتی کہ پچھلے درجے میں اس کی خالی بیٹھی اس کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی ہیں۔ اس لئے وہ ان کے پاس جانا چاہتی ہے۔ کچھ دیر کے بعد میں اسے کسی لڑکے کے ساتھ بیٹھے ہوئے دیکھتا۔

یہ چیز بار بار دہرائی جاتی۔ چائے پیتے وقت تو کیفے میں ضرور کسی نہ کسی کی امی یا ممانی آ جاتیں۔ شیطان بڑی خندہ پیشانی سے لڑکی کو رخصت کرتے اور اس کی امی جان یا خالہ جان کی خدمت میں آداب بھی بھجواتے جس کی رسید اگلے روز ملتی۔

ان جاننے والوں کو وہ یا تو سہیلیاں کہہ کر یاد کرتیں اور یا کزن کہہ کر۔ ہمیں اکثر بتایا جاتا کہ "آپ ہمیں گھر چھوڑ کر نکلے ہی تھے کہ ہماری ایک کار والی سہیلی

آ گئی۔" یا یہ کہ "ہم کمپنی باغ گئے وہاں ایک سہیلی نے نہایت درد بھرا گانا سنایا۔ ایک اور سہیلی کو ہم نے سائیکل پر بھیجا کہ چوک والی دکان سے چاکلیٹ لائے۔ "سفینہ کے کزن ہر تیسرے روز تانگہ لے آتے ہیں۔" وغیرہ وغیرہ

کبھی کبھی شیطان کو یونہی شبہ ہو جاتا۔ "کل آپ کسی لڑکے کے ساتھ موٹر سائیکل پر جا رہی تھیں۔"

"نہیں تو' وہ لڑکا تو نہیں تھا۔ وہ تو میرے چچا تھے۔ آپ نے ان کی فرنچ کٹ داڑھی نہیں دیکھی کیا؟"

شیطان جنہیں شاید لڑکے کے گلے کا سکارف دکھائی دیا تھا مسکراتے اور کہتے "اوہ کیسی غلط فہمی ہونے لگی تھی۔" پھر کسی اور سے پوچھتے۔ "پرسوں شام کو اپ ایک لڑکے کے ساتھ کار میں جا رہی تھیں؟"

"لڑکے کے ساتھ!" وہ بڑے تعجب سے بتاتی۔ "لڑکا کہاں تھا؟ لڑکی تھی۔ میری چچا زاد بہن۔ بڑی آپا۔ وہ دوپٹہ کبھی سر پر نہیں رکھتیں اور ان کے بال بھی تراشیدہ ہیں۔"

"میں بھی کیا ہوں؟" شیطان ایک ادا کے ساتھ کہتے۔ "اور پھر ان دنوں لڑکوں اور لڑکیوں میں فرق کے معلوم ہوتا ہے؟ ایک سے چست رنگین لباس' ایک وضع کے بنے ہوئے بال' ویسی ہی خوشبو کی لپٹیں۔ یہاں تک کہ ناموں سے بھی پتہ نہیں چلتا کہ رفعت' شوکت' حشمت اور طلعت میں لڑکے کون سے ہیں اور لڑکیاں کون سی۔"

کبھی کبھی جج صاحب کے ہاں بھی ان لڑکیوں کا ذکر آ جاتا۔ ایک دفعہ بیگم نے پوچھا۔

"تمہارے ساتھ وہ تین لڑکیاں کون ہوا کرتی ہیں؟"

"جی وہ میری سہیلیاں ہیں۔" شیطان نے جواب دیا۔

جج صاحب نے بھی پوچھا۔ "سنا ہے کہ تم آج کل کچھ لڑکیوں کے ساتھ دیکھے جاتے ہو۔"

"جی ہاں! ابھی تک تو صرف تین لڑکیاں ہیں۔ شاید کچھ دنوں تک ایک آدھ کا اضافہ ہو جائے۔"

"جب میں یورپ میں تھا تو میں بھی لڑکیوں کو ساتھ لے جایا کرتا تھا۔ لیکن بیک وقت صرف ایک لڑکی ہوتی تھی۔ تمہاری طرح ریوڑ لے کر نہیں نکلتا تھا۔" پھر کچھ دیر سوچ کر بولے۔ "یہ بتاؤ کہ تم اس ملک میں لڑکیوں سے دوستی کیونکر کر لیتے ہو؟"

شیطان نے بھی کچھ دیر سوچنے کے بعد جواب دیا۔ "جناب یہ گر میں ہر ایک کو نہیں بتا سکتا۔ یہ استادی شاگردی کا معاملہ ہے۔"

"اچھا اچھا ٹھیک ہے' آہم ... وہ ذرا' تمہاری گھڑی میں کیا بجا ہے؟" وہ گلا صاف کرتے ہوئے بولے۔

حکومت آپا نے پہلے تو لڑکیوں کو دیکھا۔ پھر شیطان کی طرف دیکھ کر بڑی حقارت سے بولیں۔ "جیسی روح ویسے فرشتے۔"

رضیہ کو علم تھا لیکن اس نے کبھی ذکر تک نہیں کیا۔

کبھی رضیہ شیطان سے اچھی طرح باتیں کر لیتی تو وہ کئی دنوں تک یہ شعر بار بار پڑھتے۔

تیری وفا سے کیا ہو تلافی کہ دہر میں
تیرے سوا بھی ہم پہ بہت سے ستم ہوئے

ہر اتوار کو تینوں لڑکیوں کو علیحدہ علیحدہ یہ شعر سنایا جاتا۔

انجام محبت ہے ہر حال میں رسوائی!
کچھ اس کا سبب چپ ہے کچھ اس کا سبب باتیں

ایک دن شیطان کو نہایت شدید دورہ اٹھا اور انہوں نے عجب الٹی سیدھی حرکتیں کیں۔ پہلے تو جج صاحب کے سامنے اکبر کا یہ شعر پڑھا۔

میں ہوا رخصت ان سے اے اکبر
وصل کے بعد تھینک یو کہہ کر

ابھی وہ اچھی طرح خفا بھی نہ ہوئے تھے کہ بیگم صاحب کے سامنے بہک گئے۔ بیگم تیس سال پہلے کے قصے سنا رہی تھیں کہ لڑکپن میں میں ایسی تھی۔ زیور اس طرح پہنا کرتی۔ شاعری کا بھی شوق تھا۔ یہ تھا وہ تھا۔

شیطان ایک ٹھنڈا سانس کھینچ کر بولے۔ "کاش کہ میں آپ سے پہلے ملا ہوتا۔"

اس کے بعد رضیہ کا نمبر آیا۔ میں چھپ کر سن رہا تھا۔ پہلے رضیہ کی تعریفیں ہوئیں۔ پھر لگے ہاتھوں اظہار محبت بھی کر ڈالا۔ اور بالکل وہی الفاظ دہرائے جنہیں رضیہ بار بار سن چکی تھی۔

"میں محبت کے تمام معیاری طریقے آزما چکا لیکن تم پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔"

رضیہ حسب معمول ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگی کہ موسم پہلے سے بہتر ہو گیا ہے۔ فلمیں فضول سی لگی ہیں۔ اچھے کتے کہیں نہیں ملتے۔ جب شیطان کا اصرار بڑھا تو اس نے کہا کہ لڑکے آج کچھ کہتے ہیں کہ اور محض سال بھر میں بدل جاتے ہیں۔

"میں بھلا کیونکر بتا سکتا ہوں کہ اگلے سال میرے خیالات کیا ہوں گے۔ مستقبل کے متعلق تو صرف ولی اللہ ہی پیشین گوئی کر سکتے ہیں۔ البتہ میرا ماضی تم جانتی ہو۔ رہ گیا حال' سو وہ تم پر عیاں ہے۔"

اس کے بعد انہوں نے رضیہ کا ہاتھ پکڑ کر پامسٹری کی اور لکیروں کی باتیں کر چکنے کے بعد کہا۔ "مگر یہ سارا ہاتھ تو میرا ہے۔"

"لیکن آپ مجھے بہت کم جانتے ہیں۔"

"میرے خیال میں میں تمہیں کافی جانتا ہوں۔ تم قبول صورت ہو' سگھڑ ہو' امور خانہ داری میں ماہر ہو۔ سلیقہ شعار ہو۔ پیتے کھاتے یا شاید کھاتے پیتے خاندان کی لڑکی ہو۔

تم سے بہتر لڑکیاں بھی میں نے دیکھی ہیں مگر دنیا میں رضیہ صرف ایک ہی ہے۔"

"افوہ! مغرب کی اذان ہو رہی ہے۔" رضیہ بولی۔

"اور تمہارے نظریے مولویانہ ہیں۔ تم غلط ملک میں آ گئیں۔ تمہیں کہیں اور ہونا چاہیے تھا۔ خیر اب بھی دیر نہیں ہوئی۔ جاؤ حج کرو' شرعی کپڑے پہنو' حافظ بنو' نمازیں پڑھو' اذانیں دو۔"

وہ اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں
کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں"

تھوڑی دیر میں شیطان بڑے خوش خوش ملے۔ پوچھا' کیسے رہے؟ بولے' جو کچھ دل میں تھا کہہ دیا۔ پوچھا' ہاں ہوئی یا ناں؟ بولے' یقیناً نا ہوئی۔

شیطان کی سالگرہ آئی۔ پکنک کا پروگرام بنا کہ شہر سے باہر دریا کے کنارے دن گزارا جائے۔ ان تینوں لڑکیوں کی تین اور سہیلیاں آ رہی تھیں۔ اس لیے شیطان بڑے مسرور تھے۔ ہم گراموفون ریکارڈ چننے لگے تو انہوں نے اصرار کیا کہ Music and Women Wine والا ریکارڈ ضرور ساتھ لے چلیں۔

کل وہاں تینوں چیزیں ہوں گی۔ موسیقی ہو گی' خمار ہو گا اور لڑکیاں ہوں گی۔

نوکر ہاتھ میں فہرست لیے حساب لگا رہا تھا۔ "بارہ درجن سینڈوچز اور تین بڑے کیک۔"

"اور لڑکیاں!" شیطان آسمان کی طرف دیکھ کر بولے۔

"چار سیر مٹھائی' پچیس ابلے ہوئے انڈے اور تین درجن مالٹے ہوں گے۔" نوکر پنسل سے لکھتا جا رہا تھا۔

"اور لڑکیاں ہوں گی۔" شیطان نے ٹھنڈا سانس لیا۔

صبح صبح ہم انہیں لینے گئے۔ تینوں نئی لڑکیاں بھی معنک نکلیں۔ ویسے انہوں نے بغیر فریم کی عینکیں لگا رکھی تھیں۔ سب لڑکیوں کے چہروں پر بلا کا نکھار تھا۔ غضب کی تازگی

تھی۔ چہرے خوب چمک رہے تھے۔ عینکیں بھی چمک رہی تھیں۔ آسمان پر بادل تھے۔ ہمارے پہنچتے پہنچتے ایک دو مرتبہ بارش ہوئی۔ پھر بڑی تیز دھوپ نکلی۔ ہم کچھ بھیگے کچھ

پسینہ آیا۔ اب جو غور سے انہیں دیکھتے ہیں تو عجب حلیہ بنا ہوا تھا۔ سارا میک اپ اتر چکا تھا۔ پہلی مرتبہ ان کی اصلی شکلیں دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ کریمہ کی ہلکی ہلکی مونچھیں نظر آ رہی تھیں۔ رحیمہ کے ہلکے ہلکے گل مچھے تھے' جیسے تاریخ ہند کی تصویروں میں مغل بادشاہوں کے ہوتے ہیں۔ سفینہ بھنویں اکھیڑتی تھی۔ چنانچہ اس کی خود ساختہ بھنوؤں کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ نئی لڑکیوں کے چہروں پر بھی کئی ایسے نقوش ابھر آئے تھے جو پہلے پوشیدہ تھے۔ ہمارا گروہ کچھ سرکس سا معلوم ہو رہا تھا جس میں ہر نمبر اور ہر سائز کی شخصیتیں موجود تھیں۔ لڑکیوں میں جس کی شکل مقابلتاً اچھی تھی' وہ دبلی بہت تھی اور قد نہایت لمبا تھا جس کی مسکراہٹ حسین تھی وہ فربہ بہت تھی۔ جو سمارٹ معلوم ہو رہی تھی وہ ویسے بجھی ہوئی تھی۔ جس کی باتیں بہت اچھی تھیں' وہ بہت ہی چھوٹی تھی۔ غرضیکہ ایک لڑکی بھی نارمل نہیں تھی۔

ادھر شیطان بار بار مجھے تاکید کرتے کہ ہر ایک کی طرف باری باری متوجہ ہو۔ میں نے انہیں بتایا کہ اس طرح اپنی توجہ چھ پر تقسیم کرکے برابر برابر بانٹنا کسی انسان کے لئے تو نہایت مشکل ہے۔ البتہ ایک حقہ یہ فرض بخوبی سر انجام دے سکتا ہے۔ ہم مچھلیاں پکڑنے بیٹھے۔ لڑکیاں شور مچا رہی تھیں۔ کسی نے خاموش ہونے کو کہا کہ مچھلیاں نہ بھاگ جائیں۔

"آپ ضرور شور مچایئے۔" شیطان نے دریا میں اپنے خدوخال دھوتے ہوئے کہا۔ "ان کم بختوں کو کسی طرح تو پتہ چلے کہ ہم انہیں پکڑنے آئے ہیں۔"

بارش کا ایک اور چھینٹا پڑا۔ ہم سب درختوں کی طرف بھاگے۔ شیطان صبح سے ایک نئی لڑکی کو بڑی عجیب طرح دیکھ رہے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ تھے۔

"یہ آج تو بالکل مون سون قسم کی بارش ہو رہی ہے۔" وہ بولی۔

"مون سون میں ہنی مون کیسا ہوتا ہو گا۔" شیطان کچھ اور نزدیک آ گئے۔
"چلئے وہاں چلیں' یہ درخت تو ٹپک رہا ہے۔ لائیے میں آپ کا بٹوہ تھام لوں۔ بوجھل معلوم

ہو رہا ہو گا۔"
اس نے بٹوہ دے دیا۔
"یہ درخت بھی Leak کر رہا ہے۔ چلئے" شیطان نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لینے
کی کوشش کی۔ لیکن اس نے ہاتھ کھینچ لیا۔ "شکریہ! مجھے اپنا ہاتھ بوجھل نہیں معلوم
ہو رہا۔"
بارش رکی تو شیطان نے چیزیں گرم کرنے کے لیے لکڑیوں کا چولہا بنایا۔ جب آگ جلائی
گئی تو چولہا بھی جل گیا اور کئی چیزیں بکھر گئیں۔ شیطان کو سالگرہ کی مبارکباد ملی۔
چھوٹے موٹے تحفے بھی ملے۔ وہ کہنے لگے کہ کل تک وہ صرف پچیس سال کے تھے۔
اور آج چھبیس سال کے ہو گئے۔ صرف ایک رات میں سال کا فرق پڑ گیا۔ یہ خوشی
کا نہیں رونے کا مقام ہے۔ پھر اس نئی لڑکی کی طرف دیکھ کر بولے۔ "میں دنیا کی
ہر چیز سے گریز کر سکتا ہوں سوائے ترغیب کے۔ گستاخی معاف آپ کی شادی کب
ہو رہی ہے؟"
"میری منگنی ہو چکی' میرے کزن کے ساتھ۔"
"وہ کیا کرتے ہیں؟"
"ان کے والد لکھ پتی ہیں۔"
"افوہ! تو کیا آپ نے محض دولت کے لیے؟"
"افوہ! ہاں میں نے محض دولت کے لیے۔ اور پھر اس ملک میں تو رومانی' زبردستی کی'
اپنی یا ہونے والے خاوند کی پسند کی' خواہ کیسی بھی ہوں' سب شادیاں دو تین سال کے
بعد ایک جیسی ہو جاتی ہیں۔"
"دوسرے ملکوں میں بھی یہی ہوتا ہے۔ اور آپ شادی کب کر رہی ہیں؟" شیطان نے
دوسری نئی لڑکی سے پوچھا۔

"میں شاید کبھی نہیں کروں گی۔"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ مجھے نوکروں' گھر کے حساب کتاب' دھوبیوں اور بچوں سے سخت نفرت ہے۔"

"بچوں سے کیوں نفرت ہے؟"

"اس لئے کہ مجھے پالتو جانوروں اور پرندوں سے بھی نفرت ہے۔"

"اور آپ کی شادی کب ہو رہی ہے؟" کریمہ نے شیطان سے پوچھا۔

"ہاں ہاں! بتائیے کب ہو رہی ہے؟" سب ایک دم بولیں۔

"پہلے اپنے ایک کان میں انگلی ڈال لیجئے۔ پھر بتاؤں گا۔" شیطان نے کہا۔

"وہ کیوں؟"

"کیونکہ بات ایک کان سے سنی جاتی ہے اور دوسرے سے اڑائی جاتی ہے۔"

"نہیں یہ تو ہم کسی کو بھی نہیں بتائیں گے۔"

"ہوتا یہ تھا کہ جو راز شیطان انہیں بتاتے وہ چند دنوں میں ہر جگہ مشہور ہو جاتا۔ ایک دفعہ شیطان نے غلطی سے لڑکی کی امی یا ابا کی جگہ براہ راست لڑکی کو یہ پیغام بھیج دیا کہ مجھے اپنی فرزندی میں قبول فرمائیے۔ لڑکی بے حد خفا ہوئی۔ شیطان نے یہ بات کریمہ کو بتائی اور تاکید کی کہ کسی اور سے مت کہنا۔ اس نے رحیمہ کو بتائی اور کہا کہ ہرگز کسی اور کو مت بتانا۔ چلتے چلتے یہ بات شیطان تک پہنچی اور جس عقلمند نے شیطان کو بتائی اس نے انہیں بھی تاکید کی کہ خبردار جو کسی اور سے کہا تو۔

"میں مستقبل سے نہیں گھبراتا بلکہ مستقبل مجھ سے ڈرتا ہے۔" شیطان منہ پھلا کر بولے۔

"مگر حقیقت یہ ہے کہ شادی کے بعد عاشق کی حالت نہایت خستہ ہو جاتی ہے۔ پرانے مرہٹا V.I.P. نانافرنویس نے کہا ہے کہ عاشق پہلے بوسے کے لئے جدوجہد کرتا ہے۔ دوسرا بوسہ جیتتا ہے۔ تیسرے کے لیے منت سماجت کرتا ہے۔ چوتھا قبول کرتا ہے۔ پانچواں' چھٹا' ساتواں' آٹھواں اور باقیماندہ بے شمار بوسے برداشت کرتا ہے۔"

"بالکل غلط ہے۔" سفینہ بولی۔ "۔۔۔۔

"میرا کزن کیوں ہوتا؟ تمہارا ہوتا ہو گا۔"
"واہ' ملنے تو وہ تم سے آیا کرتا ہے۔ کریمہ کے دونوں کزنوں کے ساتھ۔"
"تعجب ہے۔" ایک نئی لڑکی بولی۔ "کریمہ کا تیسرا کزن سفینہ کے کزن کو بھی کریمہ

ہی کا کزن سمجھتا ہے اور سفینہ کا کزن بھی اسے یہی سمجھتا ہے۔"
"خواتین! خواتین!!" شیطان بولے۔ "ہم سب ایک دوسرے کے کزن ہیں۔ ہم حضرت
آدم کی اولاد ہیں۔"
اتنے میں نوکر نے مژدہ سنایا کہ چائے کی پتیاں گھر رہ گئیں۔ شیطان نے نوکر کو چائے
کی تلاش میں ایک سمت روانہ کیا اور خود دوسری طرف نکلے۔ میں لکڑیاں چن رہا تھا۔
لڑکیاں گھاس پر بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔ میں نے کان ان کی طرف Focus کیے
ہوئے تھے۔
نئی لڑکی کہہ رہی تھی۔ "یہ روفی بالکل یونہی ہے۔ خاک سجھائی نہیں دیتا۔ آج اس کے
سامنے کریمہ دیر تک کھڑی ہو کر منہ چڑاتی رہی اور اسے پتہ ہی نہیں چلا' بس یونہی
دیکھتا رہا۔"
"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ سنی سنائی باتوں کا یقین نہیں کرتا اور چشم دید واقعات کا
سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"
"اور یہ جو دوسرے صاحب ہیں' کتنے عجیب سے ہیں۔ بس اپنی ہی دنیا میں بستے ہیں۔"
"خیر عجیب تو نہیں ہیں۔" نئی لڑکی نمبر دو عجب انداز سے مسکرائی۔
"یہ سب ایک جیسے ہوتے ہیں۔ روفی کسی جج وج کے ہاں جاتا ہے۔ یہ بھی کسی مجسٹریٹ
کے ہاں جاتا ہو گا۔ یہ سب اول نمبر کے ہرجائی اور طوطا چشم ہوتے ہیں۔ ہر لڑکی سے
فلرٹ کرنے کو تیار ہیں۔ بس کسی طرح موقع مل جائے۔ لیکن عاشق صرف اس پر
ہوتے ہیں جو ان کی پہنچ سے باہر ہو۔ ان کا رویہ بالکل وہی ہوتا ہے کہ ووٹ دیتے
وقت غلام محمد صاحب کا خیال رکھئے لیکن ووٹ میاں محمد حسین ہی کو دیجئے۔ اور محبوب
پر بھی تب تک عاشق رہتے ہیں جب تک وہ پہنچ سے باہر ہو۔ پھر جب شادی کا موڈ

آتا ہے تو سب کو چھوڑ چھاڑ کر کسی دولت مند مشہور گھرانے میں پیغام بھجواتے ہیں اور ایسی بھیگی بلی بن جاتے ہیں جیسے پہلے کسی لڑکی سے بات تک نہیں کی۔"

"تم روفی کی برائیاں کیوں کرتی ہو؟ اگر یہ اتنا ہی برا ہے تو اس کے ساتھ کیوں پھرا کرتی ہو؟" نئی لڑکیوں میں سے ایک نے پوچھا۔

"اس لئے کہ یہ بے حد دلچسپ ہے۔ بس اس میں صرف یہی ایک خوبی ہے۔"

"اور وہ تمہارا کار والا' وہ گویا' اور وہ تانگے والا؟"

"کار والا مغرور اور خود پسند سا ہے۔ اس کے ساتھ ہم صرف کار کی وجہ سے جاتی ہیں۔ ورنہ وہ ہمیں کچھ زیادہ اچھا نہیں لگتا۔ اگر موڈ اچھا ہو تو وہ گویا بہت عمدہ رفیق بنتا ہے۔ اور اگر اداس ہوں تو وہ تانگے والا خوب ہے۔ کم بخت اور بھی اداس کر دیتا ہے۔ وہ طالب علم بیوقوف ہے۔ ادھر ادھر کے کام بخوشی کر دیتا ہے۔ بازار سے چیزیں سستی خرید لاتا ہے۔"

شیطان چائے کی جگہ نہ جانے کس نشہ آور چیز کی پتیاں لے آئی۔ پی کر خمار سا چڑھ گیا۔ جب واپس روانہ ہوئے تو سب ایک دوسرے سے بیزار تھے۔ شیطان بیزار بھی تھے اور تھکے ہوئے بھی۔

"میرے دہنے پاؤں میں درد ہو رہا ہے۔" سفینہ بولی۔

"میرے بھی دہنے پاؤں میں درد ہے۔" شیطان نے جواب دیا۔

"میرے کان میں کچھ عجیب سا ہوتا ہے۔" نئی لڑکی بولی۔

"میرے کان میں بھی بالکل ویسا ہی ہوتا ہے۔"

"میرے۔" رحیمہ نے شروع کیا۔

"جی میرے بھی۔" شیطان جلدی سے بولے۔

گھر پہنچ کر میں نے شیطان سے کہا کہ یہ چھوٹے موٹے سیکنڈ ہینڈ معاشقے انہیں زیب نہیں دیتے۔ انہوں نے قصوروار رضیہ کو ٹھہرایا۔ ہر لڑکی پر وہ اس لئے عاشق ہو جاتے ہیں کہ انہیں رضیہ کی محبت نہیں مل سکی۔ دراصل ہر معاشقے میں انہیں رضیہ ہی کی

محبت جھلکتی دکھائی دیتی ہے۔ انہوں نے نہایت دلدوز انداز میں یہ شعر پڑھا۔

تجھ سے چھٹ کر اوروں سے بھی جھوٹا سچا پیار کیا
وہ بھی تیرے عشق کے حیلے یہ بھی تیرے غم کے بہانے

جج صاحب کے ولایت جانے کی افواہ خبر میں تبدیلی ہو چکی تھی۔ پھر کسی نے بتایا کہ وہ عنقریب پاسپورٹ بنوانے والے ہیں اور انہوں نے بڑی کار فروخت کر دی ہے۔ باہر سے کوئی نیا ماڈل لائیں گے۔ بیگم کے لیے ایک نہایت چھوٹی سی کار خریدی گئی تھی جو دراصل اسٹنٹ کار تھی۔ ننھے میاں ضد کرکے اسے سائیکل اسٹینڈ پر کھڑا کرتے۔ ان کا یہ بھی اصرار تھا کہ اس کار کے لئے ایک سائیڈ کار بھی خریدی جائے۔

شیطان کا دن بہ دن حال برا ہوتا جا رہا تھا۔ انہیں یقین ہو چلا تھا کہ جج صاحب جائیں نہ جائیں رضیہ ضرور ولایت جائے گی۔ اور پھر وہیں رہ جائے گی۔ انہوں نے بڑی منتوں کے بعد مجھے سراغ لگانے بھیجا۔ بیگم کمرے صاف کروا رہی تھیں۔ "سارے روشن دین کھول دو تاکہ گرد نکل جائے۔ یہ بوروں کی کوئلے کی بھی اٹھاؤ اور خالی بوتے کی سوڈلیں یہاں کیا کر رہی ہیں؟ یہ سب کچھ یہاں سے نکالو (چونک کر) کیا وہ لڑکا آیا تھا ابھی؟" اور میں چپکے سے پردے کے پیچھے ہو گیا۔ رضیہ کے کمرے میں پہنچا۔ "سنا ہے کہ تم ولایت جا رہی ہو؟"

"ولایت تو نہیں عرب جانے کا ارادہ ہے۔"

"اور ہم! ہم یہیں رہ جائیں کیا؟"

"میرے مولا بلا لو مدینے مجھے" گایا کیجئے۔"

"اور عرب کے بعد کیا پروگرام ہو گا؟"

"نمازیں پڑھایا کروں گی' اذانیں دوں گی' وعظ کیا کروں گی۔"

"ارے مغرب کی اذان ہو رہی ہے۔" میں نے کہا۔

"یہ لڑکا کہاں چلا گیا؟" بیگم کی آواز ائی۔

"لڑکا مراقبے میں ہے۔" میں نے بالکل آہستہ سے جواب دیا۔

جب میں رات گئے شیطان کے کمرے میں پہنچا تو وہ اونگھ رہے تھے۔ جب ان پر نیند کی غنودگی طاری ہوتی ہے تو وہ ہمیشہ سچ بولتے ہیں۔ ان سے اگر سنجیدہ گفتگو کرنی ہو تو میں ہمیشہ یہی وقت چنتا ہوں۔

مجھے دیکھتے ہی انہوں نے تینوں لڑکوں کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ شاید شام کو انہیں کزنوں کے ساتھ دیکھ آئے تھے یا ان کی باتیں سن آئے تھے۔

"لیکن اس کے باوجود ہم ان سے راہ و رسم رکھیں گے۔ مجھے تم سے بڑی شکایت ہے۔ تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟"

"عہد جو چکا تھا۔"

"خیر! رضیہ کی خبر سناؤ۔"

"وہ کہیں نہیں جا رہی۔"

"سچ مچ؟" انہوں نے آنکھیں ملیں اور جیب سے عینک نکالی۔ میں فوراً پہچان گیا۔ یہ وہی پرانی عینک تھی جو کھوئی گئی تھی۔

"ایک مرتبہ رضیہ ہی نے تو کہا تھا کہ آپ عینک کے بغیر اچھے معلوم ہوتے ہیں۔"

"اس نے یہ کہا تھا۔ کاش کہ آپ عینک کے بغیر اچھے معلوم ہوتے' تم نے اچھی طرح سنا نہیں۔" میں نے بتایا۔

انہوں نے عینک صاف کرکے لگائی۔ "لوگ کہتے ہیں کہ محبت نام ہے غلط فہمی کا کہ ایک لڑکی دوسری لڑکی سے مختلف ہے۔ مگر رضیہ کے لئے میرے دل میں وہی خیالات ہیں جو پچھلے ہفتے تھے۔ میں تو ڈر ہی گیا تھا کہ یہ کہیں سمندر پار نہ چلی جائے۔ یہاں کم از کم اسے دیکھ تو لیتے ہیں۔ اور اب جبکہ بہار ختم ہو رہی ہے خوشیاں بھی ختم ہو رہی ہیں۔ جب بہار ختم ہونے لگتی ہے تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے بڑھاپا آ رہا ہے۔"

"مگر تمہارا چہرہ تو۔"

"یہ چہرے کا نہیں دل کا بڑھاپا ہے۔ وہ سینے پر مکا مار کر بولے۔ کچھ دیر خاموش رہے پھر آنکھیں موند لیں اور بڑبڑانے لگے۔ "اور اگر میرے پاس کار ہوتی۔ تانگہ ہوتا۔ کرائے کی سائیکل ہوتی۔ میرے بال گھنگھریالے ہوتے۔ آنکھیں نشیلی ہوتیں تو وہ تینوں لڑکیاں مجھ پر عاشق ہو جاتیں۔ لیکن اگر یہ ساری خوبیاں مجھ میں ہوتیں تو میں کسی بہتر لڑکی کو اپنے اوپر عاشق کرواتا۔ مجھے ان سے کوئی شکایت نہیں۔ اگر یہ جھوٹ بولتی رہی ہیں تو میں کون سا سچ بولتا رہا ہوں۔ اگر انہوں نے فلرٹ کیا ہے تو میں نے بھی تو فلرٹ کیا ہے۔ مجھے ان کی پروا کب تھی۔ بس ذرا افسوس ہے تو اس بات کا کہ وہ مجھ سے زیادہ چست نکلیں اور جو سلوک میں ان سے بعد میں کرتا وہ انہوں نے مجھ سے ذرا پہلے کر دیا۔ ہم لوگ کتنے عجیب ہیں؟ سیدھی سادی لڑکیوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ صرف شوخ و شنگ لڑکیوں کے پیچھے بھاگتے ہیں۔ دراصل ہم خود چاہتے ہیں کہ سیدھی لڑکیاں چالاک بن جائیں۔ جھوٹ بولنا سیکھ جائیں۔ ہم خود انہیں ایسا بناتے ہیں۔ یہ سارے حربے ہمارے سکھائے ہوئے ہیں۔ اور جب وہ سب کچھ سیکھ جاتی ہیں تو ہم انہیں برا بھلا کہتے ہیں اور کچھ دنوں کے لیے پھر سیدھی سادی لڑکیوں کے قصیدے گانے لگتے ہیں۔"

مجھے علم تھا کہ بہار ختم ہو چکی ہے۔ شیطان کی کھوئی عینک مل گئی ہے۔ ان کی غنودگی بھی کبھی کی دور ہو چکی ہے۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود وہ شاید سچ بول رہے تھے۔

○○○

• ملکی پرندے اور دوسرے جانور

○ کوا

کوا گرائمر میں ہمیشہ مذکر استعمال ہوتا ہے۔
کوا صبح صبح موڈ خراب کرنے میں مدد دیتا ہے۔ ایسا موڈ جو کوے کے بغیر بھی کوئی خاص اچھا نہیں ہوتا۔ علی الصبح کوے کا شور سن انسان کو مذہب کے قریب لاتا ہے اور نروان کی خواہش شدت سے پیدا ہوتی ہے۔
کوا گا نہیں سکتا اور کوشش بھی نہیں کرتا۔ وہ کائیں کائیں کرتا ہے۔ کائیں کے کیا معنے ہیں؟ میرے خیال میں تو اس کا کوئی مطلب نہیں۔
کوے کالے ہوتے ہیں۔ برفانی علاقوں میں سفید یا سفیدی مائل کوا نہیں پایا جاتا۔ کوا سیاہ کیوں ہوتا ہے؟ اس کا جواب بہت مشکل ہے۔
پہاڑی کوا ڈیڑھ فٹ لمبا اور وزنی ہوتا ہے۔ میدان کے باشندے اس سے کہیں چھوٹے اور مختصر کوے پر قانع ہیں۔ کوے خوبصورت نہیں ہوتے لیکن پہاڑی کوا تو باقاعدہ بدنما ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ معمولی کوے سے حجم میں زیادہ ہوتا ہے۔
کوے کا بچپن گھونسلے میں گزرتا ہے جہاں اہم واقعات کی خبریں ذرا دیر سے پہنچتی ہیں۔ اگر وہ سیانا ہو تو بقیہ عمر وہیں گزار دے۔ لیکن سوشل بننے کی تمنا اسے آبادی میں کھینچ لاتی ہے۔ جو کوا ایک مرتبہ شہر میں آ جائے وہ ہرگز پہلا سا کوا نہیں رہتا۔
کوے کی نظر بڑی تیز ہوتی ہے۔ جن چیزوں کو کوا نہیں دیکھتا وہ اس قابل نہیں ہوتیں کہ انہیں دیکھا جائے۔ کوا بے چین رہتا ہے اور جگہ جگہ اڑ کر جاتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ زندگی بے حد مختصر ہے۔ چنانچہ وہ سب کچھ دیکھنا چاہتا ہے۔ یہ کون نہیں چاہتا؟
کبھی کبھی کوے ایک دوسرے میں ضرورت سے زیادہ دلچسپی لینے لگتے ہیں۔ دراصل ایک

کوا دوسرے کوے کو اس نظر سے نہیں دیکھتا جس سے ہم دیکھتے ہیں۔ دوسرے پرندوں کی طرح کووں کے جوڑے کو کبھی چہلیں کرتے نہیں دیکھا گیا۔ کوا کبھی اپنا وقت ضائع نہیں کرتا' یا کرتا ہے؟ کوے کو لوگ ہمیشہ غلط سمجھتے ہیں۔ سیاہ رنگ کی وجہ سے اسے پسند نہیں کیا جاتا۔ لوگ تو بس ظاہری رنگ روپ پر جاتے ہیں۔ باطنی خوبیوں اور کیریکٹر کو کوئی نہیں دیکھتا۔ کوا کوئی جان بوجھ کر تو سیاہ نہیں ہوا۔ لوگ چڑیوں' مرغیوں اور کبوتروں کو دانہ ڈالتے وقت کووں کو بھگا دیتے ہیں۔ یہ نہیں سمجھتے کہ اس طرح نہ صرف کووں کے لاشعور میں کئی ناخوشگوار باتیں بیٹھ جاتی ہیں بلکہ ان کی ذہنی نشوونما پر برا اثر پڑتا ہے۔ آخر کووں کے بھی تو حقوق ہیں۔

کوا باورچی خانے کے پاس مسرور رہتا ہے۔ ہر لحظے کے بعد کچھ اٹھا کر کسی اور کے لئے کہیں پھینک آتا ہے اور پھر درخت پر بیٹھ کر سوچتا ہے کہ زندگی کتنی حسین ہے۔

کہیں بندوق چلے تو کوے اسے اپنی ذاتی توہین سمجھتے ہیں اور دفعۃً لاکھوں کی تعداد میں کہیں سے آ جاتے ہیں۔ اس قدر شور مچتا ہے کہ بندوق چلانے والا مہینوں پچھتاتا رہتا ہے۔

بارش ہوتی ہے تو کوے نہاتے ہیں لیکن حفظان صحت کے اصولوں کا ذرا خیال نہیں رکھتے۔

کوا سوچ بچار کے قریب نہیں پھٹکتا۔ اس کا عقیدہ ہے کہ زیادہ فکر کرنا اعصابی بنا دیتا ہے۔ کوے سے ہم کئی سبق سیکھ سکتے ہیں۔

کوا بڑی سنجیدگی سے اڑتا ہے' بالکل چونچ کی سیدھ میں۔ کوے اڑ رہے ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ شرط لگا کر اڑ رہے ہیں۔ کوے فکر معاش میں دور دور نکل جاتے ہیں لیکن کبھی کھوئے نہیں جاتے۔ شام کے وقت کوئی دس ہزار کوا کہیں سے واپس آ جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ غلط کوے ہوں۔

کوا اتنا غیر رومانی نہیں جتنا میں اور آپ سمجھتے ہیں۔ شاعروں نے اکثر کوے کو مخاطب کیا ہے۔ "کاگا لے جا ہمارو سندیس" "کاگا رے جا رے جا رے" وغیرہ وغیرہ

لیکن ہمیشہ کوے کو کہیں دور جانے کے لئے کہا گیا ہے۔ کسی نے بھول کر بھی خوش

آمدید نہیں کہا۔ بلکہ ایک شاعر تو یہاں تک کہ گیا کہ "کاگا سب تن کھائیو چن چن کھائیو ماس" یہاں میں کچھ نہیں کہوں گا۔ آپ جانیں اور آپ کا کاگا۔

اگر آپ کووں سے نالاں ہیں تو مت بھولیے کہ کوے بھی آپ سے نالاں ہیں۔

○ بلبل

بلبل ایک روایتی پرندہ ہے جو ہر جگہ موجود ہے سوائے وہاں کے جہاں اسے ہونا چاہیے۔

اگر آپ کا خیال ہے کہ آپ نے چڑیا گھر میں یا باہر بلبل دیکھی ہے تو یقیناً کچھ اور دیکھ لیا ہے۔ ہم ہر خوش پرندے کو بلبل سمجھتے ہیں۔ قصور ہمارا نہیں ہمارے ادب کا ہے۔

شاعروں نے نہ بلبل دیکھی ہے نہ اسے سنا ہے۔ کیوں اصلی بلبل اس ملک میں نہیں پائی جاتی۔ سنا ہے کہ کوہ ہمالیہ کے دامن میں کہیں کہیں بلبل ملتی ہے لیکن کوہ ہمالیہ کے دامن میں شاعر نہیں پائے جاتے۔

عموماً Sonnet وہ نظم ہوتی ہے جسے محض بلبل کے لئے لکھا گیا ہے۔ خوش قسمتی سے بلبل ان پڑھ ہے۔

عام طور پر بلبل کو آہ و زاری کی دعوت دی جاتی ہے اور رونے پیٹنے کے لیے اکسایا جاتا ہے۔ بلبل کو ایسی باتیں بالکل پسند نہیں۔ ویسے بلبل ہونا کافی مضحکہ خیز ہوتا ہو گا۔

بلبل اور گلاب کے پھول کی افواہ کسی شاعر نے اڑائی تھی جس نے رات گئے گلاب کی ٹہنی پر بلبل کو نالہ وشیون کرتے دیکھا تھا۔ کم از کم اس کا خیال تھا کہ وہ پرندہ بلبل ہے اور وہ چیز نالہ وشیون۔ دراصل رات کو عینک کے بغیر کچھ کا کچھ دکھائی دیتا ہے۔

بلبل پروں سمیت محض چند انچ لمبی ہوتی ہے۔ یعنی اگر پروں کا نکال دیا جائے تو کچھ زیادہ بلبل نہیں بچتی۔

بلبل کی پرائیویٹ زندگی کے متعلق طرح طرح کی باتیں مشہور ہیں۔ بلبل رات کو کیوں گاتی ہے؟ پرندے جب رات کو گائیں تو ضرور کچھ مطلب ہوتا ہے۔ وہ اتنی رات گئے باغ میں اکیلی کیوں جاتی ہے؟ بلبل کو چہچہاتے سن کر دور کہیں ایک اور بلبل چہچہانے لگتی ہے۔ پھر کوئی بلبل ہیں چہچہاتی۔ وغیرہ۔ ہمارے ملک میں تو لوگ بس سکینڈل کرنا جانتے ہیں۔ اپنی آنکھوں سے دیکھے بغیر کسی چیز کا یقین نہیں کرنا چاہیے۔

کبھی کبھی بلبل غلطیاں کرتی ہے۔ لیکن اس سے فائدہ نہیں اٹھاتی۔ چنانچہ پھر غلطیاں کرتی ہے۔ سیاست میں تو یہ عام ہے۔

ماہرین کا خیال ہے کہ بلبل کے گانے کی وجہ سے اس کی غمگین خانگی زندگی ہے جس کی وجہ یہ ہر وقت کا گانا ہے۔ دراصل بلبل ہمیں محظوظ کرنے کے لیے ہرگز نہیں گاتی' اسے اپنے فکر ہی نہیں چھوڑتے۔

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ بلبل گاتے وقت بل بل بلبل بل کی سی آوازیں نکالتی ہے۔ یہ غلط ہے۔

بلبل پکے راگ گاتی ہے یا کچے؟ بہرحال اس سلسلے میں وہ بہت سے موسیقاروں سے بہتر ہے۔ ایک تو وہ گھنٹے بھر کا الاپ نہیں لیتی۔ بے سری ہو جائے تو بہانے نہیں کرتی کہ ساز والے نکمے ہیں۔ آج گلا خراب ہے۔ آپ تنگ آ جائیں تو اسے خاموش کرا سکتے ہیں۔ اور کیا چاہیے؟"

جہاں تیتر "سبحان تیری قدرت" پپیہا "پی کہاں" اور گیدڑ "پدرم سلطان بود" کہتا ہوا سنا گیا ہے' وہاں بلبل کے متعلق وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کیا کہنا چاہتی ہے۔

یوں معلوم ہوتا ہے جیسے کسی مصرعے کے ایک حصے پر اٹک گئی ہو مثلاً مانا کہ ہم پہ جور و جفا' جور و جفا' جور و جفا' جور و جفا' یا تعریف اس خدا کی' خدا کی' خدا کی۔ اور دلے بفرو ختم' بفرو ختم' بفرو ختم۔ شاید اسی میں آرٹ ہو۔

ہو سکتا ہے کہ ہماری توقعات زیادہ ہوں۔ لیکن یہ گانے کا ریکٹ اس نے خود شروع

کیا تھا۔ بلبل کو شروع شروع میں قبول صورتی' گانے بجانے کی شوق اور نفاست پسندی نے بڑی شہرت پہنچائی۔ کیونکہ یہ خصوصیات دوسرے پرندوں میں یکجا نہیں ملتیں۔ لیکن وقت کے ساتھ ساتھ ان کی نوعیت جاتی رہی اور لوگوں کا جوش ٹھنڈا پڑ گیا۔ ادھر بلبل پر نئی نئی تحریکوں اور جدید قدروں کا اتنا سا بھی اثر نہیں ہوا۔ چنانچہ اب بلبل سو فیصدی رجعت پسند ہے۔ کچھ لوگ اس زمانے میں بھی بلبل کے نغموں' چاندنی راتوں اور پھولوں کے شائق ہیں۔ یہ لوگ حالات حاضرہ اور جدید مسائل سے بے خبر ہیں اور سماج کے مفید رکن ہرگز نہیں بن سکتے۔ وقت ثابت کر دے گا کہ ... وغیرہ وغیرہ۔

جیسے گرمیوں میں لوگ پہاڑ پر چلے جاتے ہیں اسی طرح پرندے بھی موسم کے لحاظ سے نقل وطن کرتے ہیں۔ بلبل کبھی سفر نہیں کرتی۔ اس کا خیال ہے کہ وہ پہلے ہی سے وہاں ہے جہاں اسے پہنچنا چاہیے تھا۔

ہمارے ادب کو دیکھتے ہوئے بھی بلبل نے اگر اس ملک کا رخ کیا تو نتائج کی ذمہ دار خود ہو گی۔

○ بھینس

بھینس موٹی اور خوش طبع ہوتی ہے۔

بھینسوں کی قسمیں نہیں ہوتیں۔ وہ سب ایک جیسی ہوتی ہیں۔ بھینس کا وجود بہت سے انسانوں کے لیے باعث مسرت ہے۔ ایسے انسانوں کی زندگی میں بھینس کے علاوہ مسرتیں بس گنی گنائی ہوتی ہیں۔

بھینس کا ہم عصر چوپایہ گائے دنیا بھر میں موجود ہے لیکن بھینس کا فخر صرف ہمیں ہی نصیب ہے۔ تبت میں گائے کے وزن پر سرا گائے ملتی ہے۔ سرا بھینس کہیں نہیں ہوتی۔

جغرافیہ دان کہتے ہیں کہ افریقہ میں بھینس سے ملتی جلتی کوئی چیز Bison ہوتی ہے۔

مگر وہ دودھ نہیں دیتی۔ جغرافیہ دان اتنا نہیں سمجھتے کہ جو چیز دودھ نہ دے بھلا وہ بھینس جیسی کیونکر ہو سکتی ہے۔

یہ نہیں کہا جا سکتا کہ بھینس اتنی ہی بیوقوف ہے جتنی دکھائی دیتی ہے یا اس سے زیادہ۔

کیا بھینس ایک دوسرے سے محبت کرتی ہیں؟ غالباً نہیں۔ محبت اندھی ہوتی ہیں مگر اتنی اندھی نہیں۔

بھینس کے بچے شکل و صورت میں ننھیال اور ددھیال دونوں پر جاتے ہیں۔ لٰہذا فریقین ایک دوسرے پر تنقید نہیں کر سکتے۔

بھینس سے ہماری محبت بہت پرانی ہے۔ بھینس ہمارے بغیر رہ لے لیکن ہم بھینس کے بغیر ایک دن نہیں رہ سکتے۔ آج کل یہ شکایت عام ہے کہ لوگوں کو کوٹھی ملتی ہے تو ایسی جس میں گیراج تک نہیں ہوتا جہاں بھینس باندھی جا سکے۔

جس گھر میں بھینس ہو (اور بھینس کہاں نہیں ہے) وہاں اندرون حویلی سب کے سب بھینس کے چکنے اونٹے ہوئے دودھ کے لمبے لمبے گلاس چڑھاتے ہیں۔ پھر خمار پڑھتا ہے' کائنات اور اس کا کھیل بے معنی معلوم ہونے لگتا ہے۔ ایک اور دنیا کے خواب نظر آتے ہیں۔ رہ گئی یہ دنیا' سو یہ دنیا تو مایا ہے مایا۔

کئی بھینسیں اتنی بھدی نہیں ہوتیں' مگر کچھ ہوتی ہی ہیں۔ دور سے یہ پتہ چلانا مشکل ہو جاتا ہے کہ بھینس ادھر آ رہی ہے یا اس طرف جا رہی ہے۔ رخ روشن کے آگے' شمع رکھ کر وہ یہ کہتے ہیں' والا شعر یاد آ جاتا ہے۔

بھینس اگر روزانہ ورزش کرتی اور غذا کا خیال رکھتی تو شاید چھریری ہو سکتی تھی۔ لیکن کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ بعض لوگ مکمل احتیاط کرنے پر بھی موٹے ہوتے چلے جاتے ہیں۔

بھینس کا مشغلہ جگالی کرنا ہے یا تالاب میں لیٹے رہنا۔ وہ اکثر نیم باز آنکھوں سے افق کو تکتی رہتی ہے۔ لوگ قیاس آرائیوں کرتے ہیں کہ وہ کیا سوچتی ہے۔ وہ کچھ بھی نہیں سوچتی۔ اگر بھینس سوچ سکتی تو رونا کس بات کا تھا۔

ڈارون کی تھیوری کے مطابق صدیوں سے ہر جانور اسی کوشش میں ہے کہ اپنے آپ کو بہتر بنا سکے۔ یہاں تک کہ بندر انسان بن گئے ہیں۔ بھینس نے محض سستی کی وجہ سے اس تگ و دو میں حصہ نہیں لیا۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ ارتقائی دور ختم ہو چکا کیونکہ انسان بالکل نہیں سدھر رہا۔ بھینس یہ سب نہ جانتی ہے نہ جاننا چاہتی ہے۔ اگر ماہرین اسے نقشوں اور تصویروں کی مدد سے سمجھانا چاہیں تب بھی بے سود ہو گا۔

بھینس کا حافظہ کمزور ہے۔ اسے کل کی بات آج یاد نہیں رہتی۔ اس لحاظ سے وہ انسان سے زیادہ خوش نصیب ہے۔ اگر بھینس کی کمر میں پتھر یا لٹھ آ لگے تو پیچھے مڑ کر نہیں دیکھتی۔ ذرا سی کھال ہلا دیتی ہے بس! اسے فلسفہ عدم تشدد کہتے ہیں۔

بھینسے کو بالکل نکما سمجھا جاتا ہے۔ اسے ہل میں جوتنے کی سکیم ناکامیاب ثابت ہوئی کیونکہ وہ دائمی طور پر تھکا ہوا اور ازلی ست ہے۔ اس نے بچپن میں بھینس کا دودھ پیا تھا۔

کبھی کبھی بھینسا چہرے کی جھریوں کو دیکھ کر چونک اٹھتا ہے۔ اور سینگ کٹا کر کٹڑوں میں شامل ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ حرکت کون نہیں کرتا؟

بھینس کے سامنے بین بجائی تو نتیجہ تسلی بخش نہیں نکلا۔ بھینس کو بین سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔

کبھی کبھی مجھ پر موڈ آتے ہیں جب میں گائے بکری وغیرہ کو بھینس جیسا سمجھنے لگتا ہوں۔

○ الو

الو برد بار اور دانشمند ہے' لیکن پھر الو ہے۔

وہ کھنڈروں میں رہتا ہے لیکن کھنڈر بننے کی وجوہات اور ہوتی ہیں۔ الو کا ذکر پرانے بادشاہوں نے اپنے روزنامچوں میں اکثر کیا ہے لیکن اس سے الو کی پوزیشن بہتر نہیں ہو سکی۔

الو کی بیس بائیس قسمیں بتائی جاتی ہیں حالانکہ ایک الو کی پانچ چھ قسمیں کافی ہوتیں۔

ویسے الوؤں کی عادتیں آپس میں اس قدر ملتی جلتی ہیں کہ ایک کو دیکھ لینا تمام الوؤں کو دیکھ لینے کے مترادف ہے۔
الو کو وہی پسند کر سکتا ہے جو فطرت کا ضرورت سے زیادہ مداح ہو۔ روزمرہ کے الو کو بوم کہا جاتا ہے۔ اس سے بڑے کو چغد۔ چغد سے بڑا الو ابھی تک دریافت نہیں ہوا۔

پالتو الو وہ لوگ رکھتے ہیں جو اس قسم کے چیزوں کو پالنے کے عادی ہوں۔ الو شکل و صورت میں اصلاح کی بہت گنجائش ہے۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ ایک الو دوسرے الو کو کیونکر بھا جاتا ہے۔
دن بھر الو آرام کرتا ہے اور رات بھر ہو ہو کرتا ہے۔ اس میں کیا مصلحت پوشیدہ ہے؟ میرا قیاس اتنا ہی صحیح ہو سکتا ہے جتنا کہ آپ کا۔ لوگوں کا خیال ہے کہ الو تو ہی تو کا وظیفہ پڑھتا ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو وہ ان خود پسندوں سے ہزار درجہ بہتر ہے جو ہر وقت میں ہی میں کا ورد کرتے رہتے ہیں۔
شوخ اور باتونی پرندوں میں الو کا مرتبہ بہت بلند ہے کیونکہ وہ چپ رہتا ہے۔ اور غالباً حس مزاح سے محروم ہے۔ بہت سے لوگ محض اس لئے ذی فہم سمجھے جاتے ہیں کہ وہ کبھی نہیں مسکراتے۔
الو یہ انتظار نہیں کرتے کہ کوئی ان کا تعارف کرائے۔ دیکھتے دیکھتے یوں بے تکلف ہو جاتے ہیں جیسے ایک دوسرے کو برسوں سے جانتے ہوں۔ شریک حیات منتخب کرتے وقت الو طبیعت، شکل و صورت اور خاندان کا خیال نہیں رکھتے۔ تبھی وہ صدیوں سے ویسے کے ویسے ہیں۔
مادہ ننھے الوؤں کی بڑی دیکھ بھال کرتی ہے۔ مگر جونہی وہ ذرا بڑے ہوئے اور ان کی شکل اپنے ابا سے ملنے لگتی ہے انہیں باہر نکال دیتی ہے۔
الو کو اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت سے کوئی دلچسپی نہیں۔ وہ جانتا ہے کہ یہ سب بے سود ہے۔
الو دوسرے پرندوں سے میل جول کو اچھا نہیں سمجھتا۔ وہ اپنا وقت اور زیادہ الو بننے میں

صرف کرتا ہے۔ "آپ کام سو مہا کام۔" الو کا مقولہ ہے۔
الو کا محبوب مشغلہ رات بھر بھیانک آوازیں نکال کر پبلک کو ڈرانا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ پبلک کیا چاہتی ہے۔ ہمارے ملک کی مثالی توہم پرستی میں الو نے قابل تقلید حصہ لیا ہے۔ بہت سے لوگ اپنی ناکامیوں کا سبب اس غریب الو کو بتاتے ہیں جو مکان کے پچھواڑے درخت پر رہتا ہے۔ الو کی نحوست ہوتی ہے مگر اتنی نہیں۔
الو اچھے بھی ہوتے ہیں اور برے بھی۔ اچھے تو وہ ہوتے ہیں جو دور جنگلوں میں رہتے ہیں۔ الوؤں کو برا بھلا کہتے وقت یہ مت بھولئے کہ انہوں نے الو بننے کی التجا تھوڑا ہی کی تھی۔
ماہرین غور کرتے رہتے ہیں کہ الو ہمیشہ تنہا کیوں نکلتا ہے؟ الوؤں کا جوڑا باہر کیوں نہیں نکلتا؟ ماہرین کو یہ بھی ڈر ہے کہ الو دن بہ دن کم ہوتے جا رہے ہیں' کہیں نایاب نہ ہو جائیں۔ انہیں فکر نہیں کرنا چاہیے۔ ایسی چیزیں کبھی نہیں مٹتیں' یہ ہمیشہ رہنے کے لئے آئی ہیں۔
ویسے الوؤں کے بغیر بھی گزارا ہو سکتا ہے۔ مگر وہ بات نہیں رہے گی۔ الو آپ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے لگے تو اس کی نیت آپ کو پریشان کرنے کی نہیں ہو گی۔ آپ بھی تو اسے گھور رہے ہیں۔ ذرا سی دیر میں وہ زبان ہلائے بغیر آپ کو اپنا ہم خیال بنا لے گا۔ اسے Hypnotism کہتے ہیں۔
الو کی تلاش میں آپ کو زیادہ دور نہیں جانا پڑے گا۔ الو آپ کے قیاس سے کہیں قریب ہے۔ انسان کو ناشکرا نہیں ہونا چاہیے۔ دنیا میں الو سے زیادہ بری چیزیں بھی ہیں۔ دو الو یا تین الو۔
الو اس بات کا ثبوت ہے کہ اگر قدرت ایک مرتبہ کچھ ٹھان لے تو اسے پورا کرکے رہتی ہے۔
اس ساری لے دے کے باوجود الو کی زندگی کسی نہ کسی گزر ہی جاتی ہے۔

○ بلی

بلیاں سلطنت برطانیہ کے مختلف حصوں میں پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ بلیوں پر کبھی سورج غروب نہیں ہوتا۔

بلیوں کی قسمیں بتائی گئی ہیں۔ جو لوگ بلیوں کی قسمیں گنتے رہتے ہیں ان کی بھی کئی قسمیں ہوتی ہیں۔ بلیاں پالنے والوں کو یہ وہم ہو جاتا ہے کہ بلی انہیں خواہ مخواہ چاہتی ہے۔ اس لیے نہیں کہ وہ بلی کے قیام و طعام کا بندوبست کرتے ہیں۔ کاش کہ ایسا ہی ہوتا۔

بلیاں دو ہفتے کی عمر ہی میں ناز و انداز دکھانا شروع کر دیتی ہیں' بغیر کسی ٹریننگ کے۔

سنا ہے کہ کچھ بلیاں دوسری بلیوں سے خوبصورت ہوتی ہیں۔ بعض لوگ سیامی بلی کو حسین سمجھتے ہیں (ایسے لوگ کسی چیز کو بھی حسین سمجھنے لگیں گے) انگورا کی بلی کی جسامت اور خدوخال کتے سے زیادہ ملتے ہیں۔ ویسے ایرانی بلی ایک اچھی آل راؤنڈر بلی کہی جا سکتی ہے۔ لیکن ایران میں ایرانی بلیوں پر غیر ملکی بلیوں کو ترجیح دی جاتی ہے۔ سو دیشی بدیشی کا سوال ہر جگہ ہے۔

ویسے ایرانی بلی بھی تماشہ ہے۔ کبھی گربہ مسکین بن جاتی ہے اور کبھی "نہ بینی کہ چوں گربہ عاجز شود" ...... شاید ایرانیوں نے اپنی بلی کو نہیں سمجھا۔ یا شاید سمجھ لیا ہے۔

بلیاں میاؤں میاؤں کرتی ہیں۔ قنوطی بلی می.ی.ی آؤں کہتی ہے تا کہ ہر ایک سن لے۔

جب بلی زیر لب بڑبڑانا شروع کر دے اور تنہائی میں دیر تک بڑبڑاتی رہے تو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ اپنی زندگی کے بہترین دن گزار چکی ہے۔

گرمیوں میں بلیاں پنکھے کے نیچے سے نہیں ہلتیں۔ سردیوں میں بن ٹھن کر ربن بندھوا کر دھوپ سینکتی ہیں۔ ان کے نزدیک زندگی کا مقصد یہی ہے۔ بلی کا بورژوا پن نو عمر لڑکے لڑکیوں کیلئے مہلک ہے۔ انہیں یقین ہو جاتا ہے کہ جو کچھ بلی کے لیے مفید ہے وہ سب کے لیے مفید ہو گا۔

لوگ پوچھتے ہیں کہ بلیاں اتنی مغرور اور خود غرض کیوں ہیں؟ میں پوچھتا ہوں کہ اگر آپ کو محنت کئے بغیر ایسی مرغن غذا ملتی رہے جس میں پروٹین اور وٹامن ضرورت سے زیادہ ہوں تو آپ کا رویہ کیا ہو گا؟

بلی دوسرے کا نکتہ نظر نہیں سمجھتی۔ اگر اسے بتایا جائے کہ ہم دنیا میں دوسروں کی مدد کرنے آئے ہیں تو اس کا پہلا سوال یہ ہو گا کہ دوسرے یہاں کیا کرنے آئے ہیں؟

تقریباً سال بھر میں بلی سدھائی جا سکتی ہے۔ مگر سال بھر کی مشقت کا نتیجہ صرف ایک سدھائی ہوئی بلی ہو گا۔ جہاں بقیہ چوپائے دودھ پلانے والے جانوروں میں سے ہیں وہاں بلی دودھ پینے والے جانوروں سے تعلق رکھتی ہے۔ اگر غلطی سی دودھ کھلا رہ جائے تو آپ کی سدھائی ہوئی بلی پی جائے گی۔ اگر دودھ کو بند کر کے قفل لگا دیا جائے تب بھی پی جائے گی۔ کیونکر؟ یہ ایک راز جو بلیوں تک محدود ہے۔

شکی لوگ بلیوں پر اعتبار نہیں کرتے۔ بلیاں کیا کریں؟ ان پر ایسا وقت بھی آتا ہے جب انہیں خود پر اعتبار نہیں رہتا۔

بلی کو بلانے کے لئے پوس پوس پوس' مانو مانو یا پسی پسی جیسے مہمل اور غیر مہذب کلمات استعمال کئے جاتے ہیں اور بلی پھر بھی نہیں آتی۔ کبھی کوئی بلی خواہ مخواہ ساتھ ہو لیتی ہے' جہاں جاؤ پیچھا کرتی ہے۔ ایسے موقعوں پر سوائے صبر و شکر کے اور کوئی چارہ نہیں۔

بلیاں پیار سے پنجے مارتی ہیں اور کبھی چند وجوہات کی بنا پر جنہیں پبلک ہیں سمجھتی کاٹ بھی لیتی ہیں۔ شکر ہے کہ بلی کے کاٹے کا علاج آسان ہے۔ اس کا کاٹا پاگل نہیں ہوتا۔

بلیاں آپس میں لڑتی ہیں تو ناخنوں سے ایک دوسرے کا منہ نوچ لیتی ہیں اور مہینوں ایک دوسرے کو برا بھلا کہتی رہتی ہیں۔

بلی اور کتے کی رقابت مشہور ہے۔ بلی برداشت نہیں کر سکتی کہ انسان کا کوئی وفادار

دوست ہو۔ بلی میں برداشت بہت کم ہوتی ہے۔
کبھی کبھی بلیاں اپنی کمر کو خم دے کر بہت اونچا کر لیتی ہیں اور دیر تک کئے رکھتی ہیں۔ اس کی وجہ تو وہی جانتی ہوں گی۔ مگر وہ جو کچھ کرتی ہیں اکثر غلط ہوتا ہے۔ ممکن ہے اس طرح وہ گیئر بدلتی ہوں۔
جب بلی چاند کی طرف دیکھ کر بری طرح رونے لگے تو روئے سخن آپ کی طرف یا میری طرف نہیں۔ یہ سب کسی اور بلی کے لئے ہے۔
چند بلیاں گھر میں سارے چوہوں کو ختم کر سکتی ہیں۔ چوہے تو دفع ہو جائیں گے مگر بلیاں رہ جائیں گی۔ بلیاں دن بھر میک اپ کرتی رہتی ہیں۔ ان کی جلد پر طرح طرح کے ڈیزائن ہوتے ہیں۔ موٹی بلیاں اپنے جسم پر لمبائی میں یعنی عمودی سیدھی دھاریاں بنا لیں تو ان کا موٹاپا چھپ سکتا ہے اور وہ چھریری اور کیوٹ معلوم ہوں گی۔
بلیاں دوپہر کو سو جاتی ہیں' وہ رات تک انتظار نہیں کر سکتیں۔ بعض اوقات بظاہر سوئی ہوئی بلی ادھر ادھر دیکھ کر چپکے سے باہر نکل جاتی ہے۔ اس سے باز پرس کی جائے تو خفا ہو جاتی ہے۔ (بلی کی جگہ کوئی بھی ہو تو خفا ہو جائے گا) ایک ہی گھر میں سالہا سال گزارنے کے باوجود انسان اور بلی اجنبی رہتے ہیں۔ زندگی کتنی عجیب ہے۔
بلی سامنے سے گزر جائے تو لوگ خوشخبری کا انتظار کرتے ہیں۔ میں یہی سمجھتا ہوں کہ جیسے میں کسی کام جا رہا تھا اسی طرح بلی بھی کہیں جا رہی ہو گی۔
اندھیرے میں کالی بلی کا نظر آ جانا خوش قسمتی سمجھا جاتا ہے۔ پتہ نہیں بدقسمتی کیا ہوتی ہو گی۔
خیر جو کچھ بھی ہو' ہم سب کی تقدیر میں بلی لکھی ہے۔ اپنی بلی سے بچنا محال ہے۔ کوئی دلیر ہو یا بزدل' عقل مند ہو یا احمق' کسی نہ کسی دن ایک بلی اسے آ لے گی۔ ویسے ایرانیوں کا اصول رہا ہے کہ گربہ کشتن روز اول۔
میں گھنٹوں سوچتا رہتا ہوں کہ [illegible]

• سفر نامہ جہاز باد سندھی گا

بسم اللہ' دیباچہ افسانہ نغمہ زنی عندلیب خانہ رنگین ترانہ' راست براست' بلا کم و کاست۔
یعنی تذکرہ جہاز باد سندھی عفی عنہ'
اے صاحبو! خدا آپ کا بھلا کرے۔ مدت مدید و عرصہ بعید کا ذکر ہے کہ ایک سہ پہر کو ایک نوجوان نحیف و نزار (کہ جسے نوجوان سمجھنا نری خوش فہمی تھی) کافی ہاؤس کے دروازے پر زندگی سے بالکل بیزار کھڑا تھا۔ نام اس دراز قد کا جہاز باد تھا۔ تخلص سندھی اور لقب خورد۔ حلیہ اس کا فاقہ زدہ تھا اور سر کے بال ماڈرن خواتین کے بالوں سے بھی لمبے تھے۔ ناک پر ایک شکستہ عینک زندگی کے دن توڑ رہی تھی۔ شیو اس نے ہفتے بھر سے نہیں کروایا تھا۔ بغل میں اس کے کاغذوں کا ایک پلندہ تھا۔ پوشاک اس کی ایسی تھی کہ گمان تک نہ ہوتا کہ اس نے پوشاک کو پہن رکھا ہے۔ معلوم ہوتا تھا کہ پوشاک ہے جو اسے پہنے ہوئے ہے۔
ظاہر ہے کہ یہ نوجوان انٹلکچوئل طبقے سے متعلق تھا۔
اس نے اپنی سائیکل سنبھالی۔ ملازم کو اگلے روز بخشیش دینے کا وعدہ کیا اور مال روڈ پر ہوا ہو گیا۔ چوک کے سپاہیوں کو پیچھے چھوڑتا کہیں کا کہیں جا پہنچا۔ ایک عالیشان محل کے سامنے اسے کچھ عجیب سے فیلنگ ہوئی جیسے خیالات کی روانی میں دفعتہ الجھن پیدا ہو گئی ہو۔ چونک کر دیکھا تو پچھلے پہیے میں پنکچر ہو چکا تھا۔ اتوار کا دن تھا اور دکانیں بند تھیں یہاں تک کہ وہ حضرات بھی جو ایک پمپ اور پنکچر لگانے کا ذرا سا سامان لے کر سائیکل ورکس کھول لیتے ہیں اور پروپرائٹر کہلاتے ہیں' غائب غلا ہو چکے تھے۔
اتنے میں محل کے دروازے سے ایک شخص ہاتھ میں کارآمد شے تھامے نمودار ہوا۔ اسے دیکھ کر جہاز باد کی عینک مسرت سے چمک اٹھی۔ اس نے بڑھ کر پمپ مانگا۔ اس شخص

نے دے دیا۔ جہاز باد نے اسے کھینچا' مروڑا' کھولنے کی کوشش کی لیکن ناکامیاب رہا۔
تس پہ وہ مرد توانا زیر مونچھ مسکرایا (کہ اس کا چہرہ ایک چوڑی سیاہ گھنی اور عمدہ مونچھوں سے مزین تھا) اور بولا "اے مرد ناداں مزید کوشش عبث ہے کیونکہ یہ پمپ نہیں ڈنڈا ہے۔"

جہاز باد نے سائیکل ایک طرف رکھ دی اور محل کی جانب متوجہ ہوا۔ دروازے پر بورڈ پڑھا تو عینک کے شیشے صاف کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ لکھا تھا "جہاز باد سندھی کلاں"
ذرا قریب گیا تو مرغان نواسخ کی زمزمہ پردازی دل کو لبھانے لگی۔ ہزارو طوطی کی صدا آنے لگی۔ انواع و اقسام کے خوشبوؤں سے دماغ طبلہ عطار بن گیا۔ ذرا سی دیر میں یہ طبلہ بجنے لگا۔ ریڈیو پر نغمہ دلربا اور رباب کی آواز خوش کانوں میں آئی۔ طعمہ لذیذ کی خوشبو آتی تھی۔ بادہ خوشگوار کی صراحی قلقل کی صدا سناتی تھی۔ دیکھا کہ احباب بذلہ سنجی اور کاتونان ذی مرتبہ رنگ رلیاں مناتی ہیں' ہمجولیاں قہقہے لگاتی ہیں۔
جہاز باد سوچنے لگا کہ صرف خورد اور کلاں کا فرق ہے۔ مگر کوئی مجھ سا بے نصیب' بد طالع' بد بخت ہے' کوئی صاحب تاج و تخت ہے۔ اس مکان کے مکین پر بڑی عنایت ہے اور مجھ گنہگار پر یہ عتاب۔ یہ کسی شاہ فلک بارگاہ کا ایوان سپہر توآمان ہے یا روضہ رمضان ہے۔ کہیں حور ہے تو کہیں غلمان ہے۔
ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اسی مرد قوی مونچھ نے آ کر پیغام دیا ہے کہ صاحب مکان نے فرمایا ہے کہ ہمارا سلام بولو۔ جہاز باد خورد نے کہا۔ وعلیکم السلام اور روانگی کا قصد کیا۔ مگر وہ مرد قوی ہیکل کہنے لگا کہ صاحب خانہ یاد فرماتے ہیں۔ جہاز باد سمجھ گیا کہ ہو نہ ہو صاحب مکان کوئی ماہر نفسیات ہے جس نے اتنی دور سے میرا تجزیہ نفسی کرکے خیالات بھانپ لیے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ کسی مصیبت میں گرفتار ہو جاؤں۔ ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ اس مونچھ مچھندر نے ہاتھ پکڑا اور اندر لے گیا جہاں شاندار دعوت منعقد تھی۔ حیرت ہوئیکہ یا الٰہی کس کوتوہ اور گنبدی الیاں کیپڑی کاخ و شنگ' رشک

گل رخان فرنگ کیونکر ایک مقام پر جمع ہیں۔
جہاز باد سندھی کلاں بڑے تپاک سے ملا اور گویا ہوا۔ "اے معزز اجنبی حضرت! دیکھنے میں تو آپ انٹلکچوئل معلوم ہوتے ہیں۔"
جہاز باد خورد نے اثبات میں سر ہلایا۔ جہاز باد کلاں کی باچھیں کھل گئیں۔
"الحمدللہ ... یہ خاکسار بھی کبھی انٹلکچوئل تھا۔ یہ سب شہزادیاں اور شہزادے ایسے ہیں جو انٹلکچوئل ہیں۔ ہونے والے ہیں یا کبھی تھے۔ آپ ان سے ملئے۔"
سب خوب بغلگیر ہو ہو کر ملے۔ اگرچہ جہاز باد خورد گدگدی سے بہت ڈرتا تھا۔ تبھی وہ عید کے روز چھپتا پھرتا تھا۔ تاہم ایک موہوم سی امید پر اس نے بغل گیر ہونا شروع کر دیا۔ لیکن جب شہزادیوں کا نمبر آیا اور اس نے سرخ لباس والی حسین شہزادی سے بغل گیر ہونے کی کوشش کی تو کامیابی نصیب نہ ہوئی۔ وہ فوراً دو قدم پیچھے ہٹ کر بولی "آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔" جب دونوں جہاز بادوں نے ایک دوسرے کا نام سنا تو کمال درجہ محظوظ بھی ہوئے اور محفوظ بھی۔
جہاز باد کلاں نے خورد کلاں کو ایک چھوٹا سا پیگ دینا چاہا تو وہ معذرت خواہی کرتے ہوئے گویا ہوا۔ "یا پیر و مرشد ابھی سورج نظر آتا ہے۔ غروب آفتاب سے پہلے وہسکی سے گریز کرنا چاہیے۔ البتہ بیئر وقت کی چیز ہے۔"
جہاز باد کلاں یہ تقریر سن کر دم بخود رہ گیا۔ عش عش کرنا چاہتا تھا لیکن شہزادیوں کی طرف دیکھ کر ارادہ ملتوی کر دیا اور یوں بولا "اے باذاق انسان بیئر کا گلاس نوش جان فرما اور بار بار دروازے کی طرف مت دیکھ۔ تیری سائیکل ہم نے مرمت کے لیے بھیج دی ہے۔"
ہوالشافی کہہ کر وہ جام جہاز باد خورد نے پیا اور دوسرا انڈیلنے لگا۔ جہاز باد کلاں نے اس کی جانب شفقت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "اے نوجوان سلیقہ شعار ہم خوش ہوئے لیکن یہ مت بھولیو کہ یہ خدائے ذوالجلال کے ہاتھ میں ہے کہ ایک گدائے بے

نوا کو چشم زدن میں صاحب دولت و جاہ کرے اور قارون سے مالدار کو ذرا سے اشارے سے تہہ خاک و تباہ کرے۔ تو ضرور حیران ہو گا کہ یہ نعمتیں ہمیں کیونکر میسر آئیں۔

یہ فرمانبردار بہرے جنہیں سنائی بھی دیتا ہے' یہ افرنگی بیئر جو غلط شدہ غم صحیح کرتی ہے۔ یہ پر رونق محفلیں ...... یہ سب کچھ ہمیں یونہی نہیں ملا۔ ہم..."

"واحد متکلم صیغہ استعمال کیجئے۔" ایک طرف سے آواز آئی۔

"معاف کیجئے' تو اس کے لیے مجھے کیا کیا مصیبتیں اٹھانی پڑیں۔ اس کا ذکر میں ابھی سناؤں گا۔"

محفل میں یکلخت کھلبلی سی مچ گئی۔ کوئی گھڑی دیکھنے لگا۔ کسی کو ضروری کام یاد آ گیا۔ کسی نے کہا' ابا جان انتظار کر رہے ہوں گے۔ کوئی بولا یہ کہانی اتنی مرتبہ سنی ہے کہ زبانی یاد ہو چکی ہے۔ جب سب جا چکے تو جہاز باد کلاں نے خورد کے لئے چوتھا گلاس انڈیلا۔ کباب سامنے رکھے اور یوں کلام کیا۔

○ جہاز باد سندھی کا پہلا سفر

"خشت اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا میرود معمار کج

اے میرے معزز ہم نام! تو نے ان شہزادیوں کی مینا چشمی دیکھی! حیرت ہے کہ تجھے کوئی ضروری کام یاد نہیں آیا۔ یہ بیئر پھسی پھسی معلوم ہوتی ہے نئی بوتل کھول اور خدا کی قدرت کا تماشہ دیکھ۔"

"اے میرے محترم ہم نام! ادھر ادھر کی باتوں سے پرہیز فرما اور اپنا سفر بیان کر۔"

"یہ ان دنوں کا ذکر ہے۔" کلاں گویا ہوا۔ "کہ جب یہ خاکسار نیا نیا جوان ہوا تھا۔

ان دنوں جے باد سندھی کہلاتا تھا۔ بعد میں جے بی سندھی ہو گیا۔ اس علاقے میں کئی

اور جے بی سندھی بھی تھے۔ چنانچہ کلاں کا اضافہ کیا۔ ناچیز کو فنون لطیفہ' فنون لطیفہ شناسی' فنون حرب و ضرب' فنون جمع و تفریق میں خاصی شدبد تھی۔ موسیقی میں وہ مہارت تھی کہ شدھ سارنگ' شدھ کلیان' مکر دھوج ... سب بخوبی گا سکتا تھا۔ لیکن طبیعت میں اس بلا کی سادگی تھی کہ ایک بھیڑیئے کو السیشن کتا سمجھ کر پکڑ لایا اور کئی دنوں تک ساتھ ساتھ لیے پھرا۔ جب غلطی کا احساس ہوا تو ایک بھیڑ کے ہمراہ اسے رخصت کیا۔ سیب کے درخت کو تبھی پہچان سکتا اگر اس میں سیب لگے ہوں ورنہ پھلوں یا پھولوں کے بغیر سارے پودے اور درخت میرے لئے یکساں تھے۔ نصیب دوستان علیل ہوا تو طبیب نے ایک کاغذ پر کچھ لکھ کر دیا۔ حقیر نے گلے میں باندھ لیا اور شفا پائی۔ بعد میں پتہ چلا کہ وہ تعویذ نہ تھا نسخہ تھا۔ ایک مرتبہ سرمہ ملنے پر حکیم جی سے دریافت کیا کہ اسے کھانا کھانے سے پہلے استعمال کروں یا بعد میں۔ لغت میں قیلولے کے معنی دیکھے تو ہکا بکا رہ گیا۔ برسوں دوپہر کے کھانے کے بعد سویا کیا لیکن کبھی احساس تک نہ ہوا کہ ایسی معمولی سی حرکت کے نتائج قیلولے کی شکل میں برآمد ہوتے ہیں کہ قاف جس کا حلق میں فلک شگاف گونج پیدا کرتا ہے۔ جب فارغ التعلیم ہوا یعنی تعلیم نے مجھے فراغت پائی تو چند جاں نثاروں نے سیاست کی طرف رغبت دلائی۔ فدوی نے رجوع کیا اور رات دونی دن چوگنی ترقی نصیب ہوئی۔ میری آتشیں تحریروں نے کئی جگہ لاٹھی چارج کرایا۔ متعدد مقامات پر جوتا چلا۔ کئی اخبارات ضبط ہو گئے۔ اس حیرت انگیز مقبولیت کی وجہ میرے دو جگری دوست تھے جو بے حد معمولی صلے کے عوض یہ سب کچھ لکھ دیا کرتے تھے۔ لیکن فلک کج رفتار کو میری شہرت ایک آنکھ نہ بھائی اور دفعتہً میری تحریریں تمام ہوئیں۔ چند ہی مہینوں میں خود غرض دنیا مجھے بھول گئی۔ محض میرے دوستوں کی وجہ سے۔"

"تو کیا آپ کے وہ دوست داعی اجل کو لبیک کہہ اٹھے؟"

"نہیں ان میں سے ایک تو ضلع دار بن گیا اور دوسرا مجسٹریٹ درجہ سوئم۔ کچھ دنوں

کے لیے تو دنیا اندھیر ہوئی پھر شاعری کا شوق چرایا۔ محروم تخلص کیا۔ غزل میں ترنم کا یہ عالم تھا کہ ہر شعر کی درت لے پر بھی تین تالہ بج سکتا تھا اور ولمپت لے پر بھی۔ غزل کے لیے طبیعت غیر حاضر ہوئی تو آزاد نظم بڑی آزادی سے کہہ لیا کرتا۔

خدا کا کرنا کیا ہوا کہ محل سرا کے باہر جو اس خاکسار کے نام کا بورڈ لگا ہوا تھا وہ کسی ضرورت مند نے چرا لیا۔ دروازہ نئے بورڈ سے مرصع کیا گیا۔ مجھے بغرض تبدیلی آب و ہوا خانیوال جانا پڑا۔ واپس لوٹا تو خطوط کا ایک پلندہ منتظر پایا۔ یہ سب تعزیت نامے تھے۔ حیران تھا کہ کس نے کس کی جان آفریں کس کے سپرد کی؟ جو بورڈ دیکھتا ہوں تو کاتب نے غلطی سے محروم کی جگہ مرحوم لکھ دیا تھا۔ اسی روز بورڈ بدلا لیکن شہر بھر میں رسوا ہو چکا تھا۔ سندھی تخلص کرنے سے بھی کوئی فرق نہ پڑا۔ پھر سوچا کہ اے مرد باہمت شاعری گئی تو کیا ہوا' اور بھی بہت سے مشغلے ہیں۔ اس ملک میں انسان کی اوسط عمر بیس بائیس سال ہے اور تو یہ عمر کبھی کی گزار چکا۔ اب اپنے آپ کو مرحوم ہی سمجھ۔ اور پیری مریدی کی طرف رجوع کر۔ ایک دفعہ نام چمک اٹھا تو وارے نیارے ہو جائیں گے۔ چنانچہ اس ناچیز نے اس سلسلے میں بڑا مطالعہ کیا۔ بہاولپور اور سندھ کے تکیوں میں بیشتر وقت گزارا۔ قابل فقیروں ملنگوں سے ٹریننگ حاصل کی۔ بھنگ سے بصیرت افروز ہوا لیکن قسمت میں چکر لکھا تھا کہ کسی ایک لائن کو سٹک نہ کر سکا۔

ایک دن اتفاق سے آلڈس ہکسلے' ورجینیا وولف' برٹرینڈرسل کی کتابیں ایک کباڑیئے کے ہاں اتنی سستی مل گئیں کہ خریدنا پڑیں۔ چونکہ خرید چکا تھا اس لئے ورق گردانی پر مجبور ہو گیا۔ اچھا بھلا بیٹھا تھا کہ اچانک بشارت ہوئی کہ تو انٹلکچوئل ہے۔ اگرچہ یہ در بے بہا خاکسار نے ورثے میں پایا تھا۔ تاہم خاندانی انٹلکچوئل کہلاتے شرم آتی تھی۔ چنانچہ میں نے کافی ہاؤس جانا شروع کر دیا۔ پوشاک' غذا' ورزش اور حلئے سے لاپروا ہوتا چلا گیا۔ سب سے الگ تھلگ رہنے لگا۔ پڑوسیوں سے بات کرنا تو ایک طرف

ان کی طرف دیکھنا بھی گناہ سمجھتا۔ قسمت کے لکھے کو کون مٹا سکتا ہے۔ میری زندگی ایک انقلاب سے آشنا ہوئی۔ ایک چاندنی رات کو جب میں کافی ہاؤس سے لوٹا تو ایک پرندہ بالکل میرے سر کے اوپر سے گزر گیا۔ یہ واہمہ نہ تھا۔ تشویش ہوئی۔ کیونکہ مقامی پرندے سست اور ڈرپوک تھے۔ اندھیرا ہو چکنے کے بعد کبھی نظر نہ آتے۔ دل میں یہ شبہ یقین پا گیا کہ ہو نہ ہو یہ پرندہ ہما تھا۔ اس مژدہ جانفزا سے روح کو سرور حاصل ہوا اور طبیعت کو کمال درجہ سکون۔ یوں معلوم ہونے لگا جیسے سب کچھ ساکن ہے۔ زندگی میں تسلی بخش راحت ہے' دنیا میں امن ہے۔ اور میں انٹلکچوئل ہوں۔

اچانک ایک سائنس دان دوست نے بڑی بری خبر سنائی کہ میں ساکن ہرگز نہیں ہوں۔ ہر چوبیس گھنٹے کے بعد زمین کی گردش کی وجہ سے تین سو ساٹھ ڈگری گھوم جاتا ہوں۔ فضاؤں میں کئی سو میل فی گھنٹے کی رفتار سے اڑا جا رہا ہوں۔ سورج کے گرد ہر سال بیس کروڑ میل کی مسافت طے کرتا ہوں اور کہکشاں کی جانب ڈیڑھ سو میل فی سیکنڈ کی رفتار سے جھکا جا رہا ہوں۔ ادھر کی گردش' ادھر کی گردش' اس طرف' اس طرف' ہر طرف رواں دواں میرے کانوں میں تیز ہوا سے شوں شوں ہونے لگی۔ چکر پر چکر آنے لگے۔ فوراً "ٹھیکہ شراب دیسی" نامی دکان پر پہنچا (جہاں لکھا تھا کہ "یہاں ہندوستانی شرفاء بیٹھ کر پی سکتے ہیں") جب باہر نکلا تو دنیا تاریک تھی۔ دروازے پر کھڑا سوچ رہا تھا کہ کیا کروں۔ اتنے میں شاہراہ پر ڈھول کی آواز سنائی دی۔ ساتھ ساتھ گھنٹی بج رہی تھی۔ دونوں کی ہم آہنگی اس قدر خوش الحان معلوم ہوئی کہ مردہ جسم میں جان پڑ گئی۔ میں لاشعوری طور پر پیچھے پیچھے ہو لیا۔ جب چونکا تو اپنے آپ کو اکھاڑے میں پایا ۔ اس غیر انٹلکچوئل ہجوم کو دیکھ کر بہت گھبرایا۔ پہلوانوں نے طرح طرح کے پٹھے ساتھ بٹھائے ہوئے تھے۔ وہاں اپنے ماموں جان کو بھی دیکھا (کہ خطاب جس نے پہلوان السندھ کا پایا تھا) وہ ایک ہاتھ ہوا میں اٹھائے ایک ٹانگ پر ناچتا ہوا اکھاڑے کا طواف کر رہا تھا۔ اس کا پٹھا پیچھے پیچھے تھا۔ غالباً میں نے اپنے عم محترم کا ذکر نہیں کیا کہ گھر اس کا ایک بیسویں صدی کا امریکن طرز کی طرح کا تھا جس کا نقشہ

ملک فرنگ کے ایک ذی فہم زیرک کاریگر نے تیار کیا تھا۔ اس کے دروازے پر بیک وقت تین چار موٹریں (کہ اہل فرنگ کی صناعی و جادوگری کا حیرت انگیز ثبوت ہیں) کھڑی جھومتی تھیں۔ وہ احتشام' وہ دبدبہ' وہ طمطراق تھا کہ انٹلکچوئل جب سامنے سے گزرتے تو منہ دوسری طرف پھیر لیتے۔ ویسے یہ مرد طرار ناپ تول کا پورا تھا۔ فن ترازو و طرازی میں اس کا دور دور تک شہرہ تھا۔ اس کے دروازے پر محتاجوں اور ضرورت مندوں کا ہمیشہ اژدھام رہتا کیونکہ آٹے اور چینی کا راشن اس کے اختیار میں تھا۔

کشتیاں ختم ہوئیں تو ماموں جان کی نظر ناچیز پر پڑ گئی۔ اس نے گردن سے آ دبوچا۔ زور سے دھپ لگا کر بولا "سنا ہے گیدی یہاں کہاں پھر رہا ہے کہ مقام تیرا کافی ہاؤس اور مریل نوجوانوں کی محفل ہے۔ ایسی جگہ آتے ہوئے اپنے تئیں شرم محسوس نہیں کرتا؟" یہ کہہ کر وہ پہلوانوں کے غول کے ساتھ ڈپو روانہ ہوا۔ اور اس فقیر کو کمال خفت اٹھانی پڑی۔ سوچنے لگا کہ یہی مردک کبھی تانگے گھوڑے کی طرف لاغر تھا۔ خدا کی شان کہ ڈپو ملتے ہی اس قدر توانا ہو گیا کہ ہاتھی بھی دیکھے تو بغیر پانی مانگے شرم سے ڈوب مرے۔ اور اس پر ایسی گفتگو' واللہ یہی جی چاہتا ہے کہ سڑک پر دراز ہو جاؤں اور انے اپنے آپ کو جاں بحق تسلیم کروا لوں۔ یکایک ایک صدائے روح پرور سنائی دی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک خوش پوشاک نوجوان (جو فقط ایک لنگوٹے سے مرصع تھا) ڈھول پر رقصاں ہے۔ تس پہ اس خاکسار کے پاپوشوں کو حرکت ہوئی۔ یہ حرکت آہستہ آہستہ تمام جسم میں حلول کر گئی۔ یہاں تک کہ ضبط نہ رہا اور یہ حقیر اس قلندر خوش لباس کے پیچھے ہو لیا۔ آگے چل کر معلوم ہوا کہ ڈھول والے کی کمر پر ایک بورڈ ہے۔ چشم زندان میں چشمہ (جو ماموں کے دھپ سے اتر گیا تھا) جیب سے نکالا۔ آہ سرد بھری جس سے شیشوں پر چند قطرے نمودار ہوئے۔ قمیض سے عینک صاف کرکے ناک پر رکھی تو آنکھوں کو وہ تقویت پہنچی کہ بیان جس کا احاطہ تحریر سے باہر ہے۔ بعد از مطالعہ انکشاف ہوا کہ وہ ریڈیم ٹانک پلز کا اشتہار تھا۔

عم محترم کا وہ طعنہ جو اس ناچیز کی صحت پر کھلم کھلا حملہ تیر کی طرح پیوست ہو چکا تھا۔ قصد انتقام کا یہ نیاز مند کر چکا تھا۔

ایک دن ماموں جان نے اپنی دکان پر کسی کو چینی دینے سے معذرت چاہی کیونکہ حقیقتاً اتنی چینی بچ رہی تھی جو اس کے احباب کے لئے درکار تھی۔ اس نے گاہک کو اپنی شیریں بیانی سے خوش کرنا چاہا لیکن وہ شخص کہ شرارت کرنے پر تلا بیٹھا تھا کاغذ کا ایک پرزہ دکھا کر دکان کی تلاشی لینے کا متلاشی ہوا۔ عین اس وقت جب وہ مفسد دکان کے اندر گیا۔ عم محترم اپنی بیوک میں بیٹھ کر محل سرا پہنچا اور خواجہ سرا سے رخت سفر بندھوا کر سرحد کا قصد کیا۔ لیکن سب انتظامات پہلے سے مکمل ہو چکے تھے۔ ماموں جان کو روک لیا گیا اور سرکاری مہمان خانے میں (کہ ایک ملک میں جیل کہلاتا تھا) قیام و طعام کا بندوبست دو روز تک رہا۔ اتنی دیر میں بلند مرتبہ اور عالی مقام حضرات کی سفارشیں پہنچ چکی تھیں۔ چنانچہ جب اسے قاضی صاحب کے سامنے لایا گیا تو انہوں نے فقط پہلوان السندھ کا خطاب واپس لے کر چھوڑ دیا۔

ماموں جان کو اس صدمے نے نڈھال کر دیا کیونکہ اسے پہلوان اور سیاست بے حد عزیز تھے۔ اس کی زندگی کا مقصد صرف یہ دو چیزیں تھیں۔ میں نے بتیرا سمجھایا کہ پہلوان السندھ کوئی بڑا خطاب نہیں جس کے لیے جان ہلکان کر لی جائے۔ آپ پہلوان الہند بھی بن سکتے ہیں۔ جیسا کہ فاضل اجل علامہ اقبال فرما گئے ہیں۔ "ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں"

میرا ماموں اس پر پھڑک اٹھا اور کہنے لگا۔ "واہ واہ' مگر برخوردار اس کا اگلا مصرعہ کیا ہے؟ وہ غالباً میرے حق میں زیادہ مفید ہو گا۔"

"دوسرا مصرعہ اے محترم' عشق کے امتحانوں کے متعلق ہے۔"

"واہ تو عشق کے امتحان بھی ہوتے ہیں۔ کون سی یونیورسٹی لیتی ہے؟"

میں نے اس مرد جاہل سے زیادہ بحث کرنا مناسب نہ سمجھا۔ حق تو یہ ہے کہ گو یہ شخص عم اس ناشدنی کا تھا' بزرگوں کا ادب بجا' حکم خداوندی ہے' مگر جہالت اس کے

چہرے پر ہن کی طرح یوں برستی تھی کہ اس ناچیز کو اس کے ساتھ چلنے میں شرم محسوس ہوتی۔

"عشق کے امتحانوں کے متعلق کیا فرما گئے ہیں علامہ؟" اس نے اصرار کیا۔

"یہ دوسرا مصرعہ اے عم محترم' آپ جیسے پیر فرتوتوں کے لیے نہیں۔ مجھ جیسے نوجوانوں کے لیے ہے۔ بہتر ہو گا کہ آپ پہلے مصرعے کا ہی اپنے اوپر انطباق کریں۔" میں نے سینہ ٹھونکتے ہوئے کہا۔

"مجھے ستاروں سے قطعاً دلچسپی نہیں (وہ اہ سرد کھینچ کر بولا) مگر دوسری چیز عشق بالکل میری لائن میں ہے اور برخوردار تو گستاخ ہوتا جا رہا ہے۔"

اس نے اپنی انگلی کا ٹھینگا بنا کر میرے سر کے مختصر سے گنج پر مارا۔ نہایت مترنم آواز نکلی جو کانوں کو بھلی معلوم ہوئی لیکن خود داری نے لعن و ملامت شروع کر دی۔ یہی خیال آتا تھا کہ ملک چھوڑ کر کہیں چلا جاؤں۔ پلیٹ فارم ٹکٹ خرید کر اسٹیشن پہنچا۔ معلوم ہوا کہ صبح سے پہلے کوئی گاڑی کہیں نہیں جاتی۔ پھر سوچا کہ اے مرد مجہول' کیوں اپنے ماموں سے ڈرتا پھرتا ہے۔ طاقتور بن اور اس کا مقابلہ کر۔

چنانچہ اس دن سے کافی ہاؤس جانا ترک کر دیا اور ساری کتابیں ایک بھٹیارے کے حوالے کیں کہ وہ بقدر ضرورت استعمال میں لاوے' اور ریڈیم ٹانک پلز کھانے اور مگدر گھمانے میں زندگی بسر کرنے کا تہیہ کر لیا۔ ڈنٹر پیلنے کے بعد تین گولیاں کھاتا۔ لنچ تک بیٹھکیں نکالتا۔ لنچ پر چار گولیاں پھر ڈنٹر اور مگدر' رات کو پانچ گولیاں۔ یقین جانئے کہ چند ہی ہفتوں میں بدن سے شعاعیں نکلنے لگیں۔ اندھیری سے اندھیری رات میں بغی روشنی کے چل پھر سکتا۔ طاقت کا ایک سمندر تھا کہ ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ ایک دن خواہش پیدا ہوئی کہ شیر ببر پر سواری کی جائے۔ لنگوٹا کس کر چڑیا گھر پہنچا۔ مگر شیروں کو پنجروں میں دھاڑتے دیکھ کر اپنی رائے تبدیل کرنی پڑی۔ اس کے بعد خیال آیا کہ کیوں نہ عم محترم کی خبر لی جائے۔ چنانچہ اسی لنگوٹ میں ماموں کے محل سرا پہنچا۔ نوکر چاکر ڈر کر بھاگ گئے۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ماموں استراحت پر بصد خضوع و خشوع دعا مانگ

رہے ہیں کہ اے باری تعالیٰ میرے اس نابکار بھانجے کو توفیق دے۔ ہم سب کو یہی توفیق دے۔ میں اب بالکل سیدھا ہو گیا ہوں۔ تیری شان ہے کہ جس کی ڈیوڑھی پر پیکارڈ اور کیڈی لک جھومتی تھیں وہاں اب گدھا تک نظر نہیں آتا۔ خداوند تعالیٰ کہیں مجھے کسی انٹلکچوئل کی بد دعا تو نہیں لگی؟"

"بس بس اے مرد بد بخت اٹھ! میں نے تیرے فیل تن ہونے کا راز پا لیا ہے۔ اور خبردار جو کسی انٹلکچوئل کو برا بھلا کہا ہے تو۔ خبردار جو کسی کو بھی برا بھلا کہا ہے تو۔ کیا ہم سب ایک جیسے نہیں؟ سب برابر نہیں؟ میں برابر ہوں برنارڈشا کے' برنارڈشا برابر ہے۔ کنفیوشس کے' کنفوشس مساوی ہے ابن بطوطہ کے۔"

"اے عزیز از جان بھانجے! آج سے مجھے اپنا ساتھی سمجھ۔ تیرے حق میں جو دعا کی تھی وہ میں واپس لیتا ہوں۔" اس نے تھر تھر کانپتے ہوئے کہا۔

دفعتہً مجھے محسوس ہوا کہ صحت بہتر بنانے کے ساتھ ساتھ میرے عقیدے بھی بدل چکے ہیں۔ مجھے انٹلکچوئل پنا دوبھر دکھائی دینے لگا کہ اس طبقے میں رہنا بڑا مشکل ہے۔ مشہور یہی ہے کہ لوگ انہیں سمجھتے نہیں۔ ہر وقت مذاق اڑاتے ہیں۔

سارا جیب خرچ طبیبوں کی جیب میں چلا جاتا ہے کیونکہ صحت اس طبقے کی نہایت خستہ ہوتی ہے۔ ملازمت کے لیے انٹریو میں جاؤ تو آسان سے سوالوں کے انٹلکچوئل جواب سن کر بورڈ کے ممبروں کو احساس کمتری ہو جاتا ہے اور وہ خواہ مخواہ فیل کر دیتے ہیں۔ ویسے پبلک حلیہ دیکھ کر ہی دوڑ جاتی ہے۔ الغرض ان لوگوں کو سوائے ہوا پھانکنے کے اور کچھ میسر نہیں آتا اور ہوا میں غذائیت نہیں۔ سچ پوچھو تو ارادہ اس خاکسار نے اس روز بدلا جب عیدگاہ میں دو بزرگوں کو بغل گیر ہوتے دیکھا۔ دونوں بھینگے تھے مگر بلا کے انٹلکچوئل تھے۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا' ہاتھ پھیلائے' مسکرائے' زیر لب کلمات خوشگوار لائے مگر ایک دوسرے کے برابر سے نکل گئے۔ جب غلطی کا احساس ہوا تو نعرے بلند ہوئے۔ "کہاں چلے گئے؟"

"میں تو یہاں ہوں اور تم؟"

"یہ رہا"

مڑے اور بغل گیر ہونے کے قصد سے واپس لوٹے۔ لیکن اس مرتبہ پھر نشانہ خطا ہو گیا۔ آخر تیسری مرتبہ بغل گیری دوسروں کی مدد سے پایہ تکمیل کو پہنچی۔

رات کو اس نیاز مند نے ایک خواب دیکھا کہ اپنے ایک انٹلکچوئل استاد سے بغل گیر ہوتے وقت جو ان کی کمر پر ہاتھ پھیرتا ہوں تو چونک پڑا۔ ان کی دم غائب تھی۔

جاگا تو عبث شرمندہ ہوا۔ اسی دن سے میں نے انٹلکچوئل پنے بلکہ نیم انٹلکچوئل پنے سے کنارہ کشی کی۔ بھئی تو سن رہا ہے اونگھ رہا ہے۔"

"نہیں تو۔" جہاز باد خورد دفعتہً جاگا۔

"اچھا بتائیں کیا کہہ رہا تھا؟"

"جہاز باد جندی' رہاز باد رندی' نہاز باد نندی۔"

معلوم ہوتا ہے یہ بیئر کا اثر ہے۔"

"ہر گز نہیں' یہ سفر ہی بہت لمبا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ پیدل طے کیا گیا تھا۔ اور یا ہمدم وہ پرندہ کون سا تھا جو آپ کے سر مبارک کے اوپر سے گزرا؟"

"اے ہمدم نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ پرندہ وہ بوم تھا' کیونکہ اس کے بعد بھی کئی مرتبہ وہ اس حقیر کے سر پر سے گزرا۔"

کرنا تمام پہلا سفر جہاز باد سندھی کلاں کا' رخصت ہونا جہاز باد سندھی خورد کا' ساتھ وعدہ آنے کا اگلے روز' بغرض سماعت سفر دوم۔

اگلے روز جب محفل منعقد ہوئی تو اس میں صرف دو حضرات شامل تھے' خورد اور کلاں۔

ہر چند جہاز باد کلاں نے شہزادے شہزادیوں کا بے صبری سے انتظار کیا۔ بارہا ٹیلیفون کیا لیکن مایوسی ہوئی۔ ناچاری چائے منگوائی۔ خورد چائے دیکھ کر نہایت غمگین ہوا اور یہ مصرعہ زبان پر لایا۔ چاء را کن چاء در پیش۔ لیکن کلاں نے اس کی بات سنی ان سنی کر دی اور بولا۔

○ جہاز باد سندھی کا دوسرا سفر

"حسینوں سے فقط صاحب سلامت دور کی اچھی

نہ ان کی دوستی اچھی نہ ان کی دوستی اچھی

اے عزیز از جان ہم نام! ایک دن چوک میں میں نے ایک شخص کو ہجوم کے سامنے تقریر کرتے سنا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ سب لوگ برابر ہیں' سب مرد برابر ہیں' سب عورتیں برابر ہیں' سب بچے ایک سے ہیں۔ لہٰذا سب کو برابر حقوق ملنے چاہئیں۔ زندگی آسان ہو سکتی ہے۔ بس سفر میں کیجئے۔ ساڑھے چار آنے میں سیکنڈ شو دیکھئے' اندھیرا ہو جانے پر اندر جایئے اور روشنی ہونے سے پہلے باہر نکل جایئے۔ میونسپلٹی نے کہیں کہیں ریڈیو نصب کئے ہیں اور ان پر موسیقی (جو اسی فیصدی فلمی ریکارڈوں پر مشتمل ہے) اور خبریں سنی جا سکتی ہے۔ بک اسٹال پر کھڑے ہو کر ذرا سی دیر میں تازہ رسائل اور نئی کتب کا جائزہ لیا جا سکتا ہے۔ ایک لمبے سے اوورکوٹ سے سردیاں نکل سکتی ہیں اور دو رنگین بش شرٹوں سے گرمیاں۔ ذرا سی خوشامد سے باآسانی محبت کی جا سکتی ہے۔ لیکن یہ مت بھولئے کہ سب لڑکے ایک جیسے ہوتے ہیں اور سب لڑکیاں ایک سی ہیں' مثال کے طور پر روس بھی۔

وہ روس کا ذکر زبان پر لایا تو مجھے شبہ سا ہوا۔ اگرچہ معلومات اس احقر کی روس کے بارے میں نہایت محدود ہیں تاہم بحث کرنی ہو تو گھنٹوں بول سکتا ہوں۔ اے ہم نام خورد تیرا روس کے متعلق کیا خیال ہے؟"

"اے ہم نام کلاں معلومات تو میری بھی ایسی ویسی ہیں۔ اگرچہ میں نے Groucho Marx کی لکھی ہوئی مشہور و معروف کتاب سرمایہ داری پڑھی ہے۔"

"نہیں' یہ کتاب Karl Marx نے لکھی ہے۔"

"تو وہ بھی تو Marx Brothers میں سے ہو گا۔ مارکس برادرز کو ماشاء اللہ کون نہیں جانتا۔"

"خیر' تو میں تقریر سنتا رہا۔ اس نوجوان کے بعد ایک شہزادی نے تقریر شروع کر دی۔ خاکسار نے تقریر سے زیادہ شہزادی میں دلچسپی لی۔ معلوم ہوا کہ اس پارٹی میں چند اور شہزادیاں بھی ہیں۔ ان میں سے دو تین شہزادیاں تو واللہ خوب تھیں۔ ناچیز نے چشم و دل کو ان کی دید سے تر و تازہ پایا اور اپنے تئیں اس ٹولی میں شامل ہونے پر آمادہ پایا۔

لیکن پتہ چلا کہ شامل ہونا آسان نہیں۔ کافی چھان بین کے بعد یہ لوگ اپنے ساتھ شریک کرتے ہیں۔ بڑی کوشش کے بعد میں نے ان کے سرپرست کا کھوج نکالا۔ کسی نے بتایا کہ ان کے بچے سبزی ہائے تازہ سے پرہیز کرتے ہیں۔ طبیبوں کا اصرار ہے کہ سبزیاں بچوں کی بہبودی کے لئے ازحد اشد ہیں۔ ادھر بچے ہیں کہ نباتات' جمادات اور معدنیات سب کچھ کھا جاتے ہیں۔ لیکن سبزیوں کو چھوتے نہیں۔ میں نے ان حضرات سے مل کر اس مہم کا بیڑا اٹھایا۔ چند گاجریں تکیوں کے نیچے رکھ دیں' کچھ ٹماٹر بالائے طاق رکھے' شلجم کتابوں کے نیچے چھپا دیئے۔ بچوں کو جب یہ چیزیں فرداً فرداً ملیں تو سمجھے کہ انھوں نے چرائی ہیں لہٰذا خوب سیر ہو کر کھائیں۔ بچوں کے ابا نہایت خوش ہوئے اور گلہ اپنے پیارے کتے کا کرنے لگے جو علیل تھا مگر دوائی پینے سے احتراز کرتا۔ میں نے پہلے تو دوائی اس سگ نابکار کے دہن میں انڈیلنا چاہی۔ جب اس نے متواتر نارضامندی کا اظہار کیا تو جھنجلا کر شیشی فرش پر پٹخ دی۔ تس پہ اس سگ ناعاقبت اندیش نے زبان سے ساری دوائی چاٹ لی اور کیفر کردار کو پہنچا۔ وہ حضرت کمال درجہ مہربان ہوئے اور بولے۔ "اے مرد عاقل! تو دولت نفسیات سے مالا مال معلوم ہوتا ہے۔ بتا کیا مانگتا ہے؟"

میں نے آرزو بیان کی کہ کاش کہ مستقل طور پر آپ کی صحبت سے ذوق حاصل ہوتا۔ الحمدللہ اس مرد گرامی نے مجھے اپنی جماعت میں شریک فرمایا۔

ایک ایک دن عیش و کامرانی میں گزرتا۔ ہم سب ایک دوسرے کے دوست تھے۔ ایک

سگریٹ کا ٹین کھولتا اور سب اس سے ٹوٹ پڑتے۔ یعنی ٹین پر۔ اسی طرح ایک دوسرے کے کپڑے' جوتے' روپیہ' حجامت کا سامان۔ غرضیکہ جو کچھ ہاتھ آ جاتا بلا تکلف استعمال کرتے۔ ویسے ہم لباس اچھا پہنتے تھے لیکن جب کام پر جانا ہوتا تو نہایت معمولی اور کھردار سا لباس ہوتا' ایک خاص قسم کے سستے کپڑے کا بنا ہوا۔ سر پر ایک عجیب سی ٹوپی ہوتی۔ واسکٹ اور چپلیوں کا استعمال بھی ضروری تھا۔ ویسے ہمارا کام آسان تھا۔ کتابیں اور کتابچے تقسیم کرنا' پوسٹر لگانا' خاص خاص جلسوں میں تقریر کرنا۔ جہاں کوئی کھیل تماشہ ہو یا کسی تقریب میں بہت سے لوگ جمع ہوں وہاں شور و غل مچا کر رنگ میں بھنگ ڈال دینا۔ اس کے لئے ہمیں معاوضہ ملتا تھا۔ ہمیں اپنی ٹولی کے ممبروں کے علاوہ ہر شخص سے للہی بغض تھا۔ مگر یہ خاکسار محض شہزادیوں کے لئے ان لوگوں میں شریک ہوا تھا۔ اس لئے زیادہ نہ سیکھ سکا۔ اور ویسے کا ویسا رہا۔ آگ خشک و تر کو یکساں جلاتی ہے۔ شہزادیوں کے قرب نے خرمن صبر و شکیب پر کچھ اثر نہیں کیا۔ اور یہ فقیر ان میں ضرورت سے زیادہ دلچسپی لینے لگا۔ شہزادیوں نے سردیوں میں تو خوب تبلیغ کی۔ گرمیاں آئیں تو تیز دھوپ سے ان کی رنگت سنولانے لگی۔ ہر جگہ پنکھوں اور برف کا خاطر خواہ انتظام نہ تھا۔ موٹر بھی کئی بار پنکچر ہوئی اور پیدل چلنا پڑا۔ شہزادیوں کو شکایت تھی کہ باشندوں کی تعداد کتنی زیادہ ہے۔ ادھر ہم کتنے تھوڑے ہیں؟ لوگ ان پڑھ ہیں' سمجھتے نہیں۔ بلکہ اب تو لوگ ہم سے چڑنے لگے ہیں۔ بھلا اور لڑکیاں ہماری طرح خدمت کرنے کیوں نہیں نکلتیں؟ اس طرح تو کچھ نہیں ہو گا۔ پھر ایک روز ہم نے سنا کہ ایک شہزادی نے خان بہادر قلندر بیگ سے شادی کر لی ہے۔ حالانکہ خان بہادر موصوف کی گزشتہ سے پیوستہ سب بیویاں صحیح سلامت تھیں۔ دوسری نے ایک رائے بہادر کو چنا' جو سب کی رائے میں کافی بزرگ تھے۔ جن کی بیوی کے متعلق افواہیں اڑ رہی تھیں کہ سرگباش ہو چکی ہیں یا ہونے والی ہیں۔ یہ تازہ شگوفہ جو پھولا تو یہ ناچیز ساری چوکڑی یک دم بھولا۔ لیکن پھر سوچا کہ شہزادیوں پر بھروسہ کرنا دلیل حماقت ہے۔ ان کی

استقامت کا دم بھرنا عین جہالت ہے۔ یکایک تیسری شہزادی نے ایک دولت مند زمیندار سے عقد کیا جس نے فوراً دو مربعے بیچ کر ایک پیکارڈ خریدی۔ الغرض خزاں سے پہلے ساری شہزادیاں ٹھکانے لگیں۔ ان میں سے ایک بے وفا کو میں نے یہ لکھ کر بھیجا۔

جو کیا تھا وعدہ نکاح کا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

ادھر سے جواب آیا۔

بہت دنوں کے تقابل نے تیرے پیدا کیا
وہ اک نکاح جو بظاہر نکاح سے کم ہے

ہم طرح طرح کی آزادیاں چاہتے تھے۔ سوچنے کی آزادی' جو جی میں آئے کر گزرنے کی آزادی۔ ایک آزادی نے اس خاکسار کو کمال ذلیل و خوار کیا۔ ہوا یوں کہ ایک روز میں نے ایک نوجوان کو دیکھا کہ سر بازار اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار رہا ہے۔ سب دیکھتے ہیں اور کوئی کچھ نہیں کہتا۔ مجھ سے نہ رہا گیا۔ قریب جا کر نصیحت شروع کی ہی تھی کہ نوجوان نے ترچھا وار کرکے ایک میرے پاؤں پر بھی جڑ دی۔ دو مہینے ہسپتال میں پڑا رہا۔ قصور نہ میرا تھا نہ اس کا۔ میں نے آزادی گفتار دکھائی تھی اور اس نے آزادی کردار۔

خدا کا کرنا کیا ہوا کہ ایک عجیب خواب اس ناشدنی کو نظر آیا۔ ایک رات سویا تو کیا دیکھتا ہوں کہ جیسے گھوڑے پر سوار ہوں اور گھوڑا جنگل میں سے گزر رہا ہے۔ یکایک آہ سنائی دی۔ حیران ہو کر ادھر ادھر دیکھا تو وہاں کوئی نہ تھا۔ کچھ دیر کے بعد آہ نمبر دو سنی' دوسری بار حیران ہوا۔ جب تیسری آہ سن کر تعجب کا اظہار کیا تو آواز آئی۔

"میں نے بھری ہے۔" گھوڑے نے بڑی سلیس اردو میں کہا۔ "اور میں کیوں نہ بھروں؟

میں بھی تو جانور ہوں۔ منہ میں زبان رکھتا ہوں۔ تم انسانوں کے لیے تو حقوق مانگتے ہو' جانوروں نے کون سا گناہ کیا ہے۔ ڈاروِن کی تھیوری کے مطابق ہم سب ارتقاء کی مختلف منزلوں پر ہیں۔ ہمارا ماخذ ایک ہے۔ لہٰذا ہم سب ایک دوسرے کے کزن ہیں۔ اے میرے کزن میں تھک گیا ہوں' اب تم گھوڑے بنو اور میں سواری کروں گا۔"

چار و ناچار اس حقیر کو گھوڑا بننا پڑا۔ باری باری ہم نے سواری کی۔ جنگل سے باہر نکل کر خیال آیا کہ اگر دونوں ساتھ ساتھ پیدل چلتے تو بہتر رہتا۔ رخصت ہوتے وقت میں نے اپنے نئے کزن سے دریافت کیا۔ کہ اگر وہ انسان بننا چاہے تو کسی ماہر نفسیات سے مل کر Auto Suggestion کا انتظام کرا دیا جائے۔ لیکن وہ نہ مانا اور بولا کہ ان دنوں تانگے کے گھوڑوں کو چھوڑ کر بقیہ گھوڑوں کی پوزیشن انسان کی پوزیشن سے بدرجہا بہتر ہے۔

صبح جاگا تو بڑا پریشان ہوا۔ اس گفتگو کا یہ اثر ہوا کہ تانگے میں بیٹھنے سے احتراز کرنے لگا۔ اور کوئی سواری میسر نہ تھی لہٰذا نقل و حرکت محال ہو گئی۔ سائیکل چلا چلا کر برا حال ہوا تو عقیدے بدلنے پڑے۔ ادھر شہزادے بھی تتر بتر ہو گئے۔ کچھ ریاستوں راجواڑوں میں جا بسے۔ ایک دو ایکٹر بن گئے۔ باقی کے ریڈیو میں ملازم ہو گئے۔ ایک رہ گیا تھا اسے ہر وقت یہ وہم رہنے لگا کہ "شاید کہ پولیس خفیہ باشد"

بعد میں سنا کہ وہ بھی نائب تحصیلدار بن گیا۔ اور اس کے ساتھ میرا دوسرا سفر تمام ہوا۔ عزیز القدر ایسی نگاہوں سے الماریوں کی طرف مت دیکھ کہ موم بھی پتھر بن جائے۔ مجھے احساس ہوا کہ سورج غروب ہو چکا ہے۔ آج دیسی منگائی ہے کہ چلو میں الو کرتی ہے۔"

اگلے روز جب خاتون شب نے چادر سیاہ میں رخ انور چھپایا اور شاہ خاور نے اورنگ سپہر پر جلوہ فرمایا۔ (یعنی جب صبح ہوئی) تو دونوں جہاز بادوں کو آرام کرسیوں پر سوتا پایا کہ ساتھ ان کے چند خرگوش بھی خوابیدہ تھے اور یہ ساری پارٹی محو خواب خرگوش سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ آنکھ کھلنے پر غنچہ صبح کھلکھلایا۔ مرغان خوش الحان کی ترانہ

سنجی سے کانوں نے لطف مزید پایا۔ جہاز باد کلاں شرمایا اور زبان پر یہ کلمے لایا۔
"اے مرد نیک طینت! بادہ دیسی نہایت تیز نکلا۔ اب تک حالت خستہ ہے۔ آج اچھی

طرح اس شعر کے معنے سمجھ میں آئے ہیں۔

جو آج پی ہو تو ساقی حرام شے پی ہو
یہ کل کی پی ہوئی مے کا خمار باقی ہے

یہ بتا کہ تیرے عزیز و اقرباء انتظار تو نہ کرتے ہوں گے؟ شاید تھانے یا کانجی ہاؤس
پوچھنے گئے ہوں۔"
"میں خدا کے فضل و کرم اور آپ کی دعا سے نا کتخدا ہوں۔" خورد نے شرما کر کہا۔
"تو ملا ہاتھ' میں بھی ناخدا یعنی نا کتخدا ہوں۔ تو پھر سناؤں تیسرا سفر؟"
"ذرا صبر فرمایئے' سمند کلام کو زیر لگام لایئے۔"
اتنے میں ملازم نے مژدہ جانفزا سنایا کہ چھوٹا حاضری تیار ہے۔ چاء پی کر کلاں ضبط
نہ کر سکا اور یوں گویا ہوا۔

○ جہاز باد سندھی کا تیسرا سفر

"دل سے شوق رخ نکو نہ گیا
تانکنا جھانکنا کبھو نہ گیا

اے مرد خالص! میں موسم گرما گزارنے ملتان اور چولستان کے مرغزاروں میں گیا۔ وہ
سر زمین جو رنگین مزاجوں کے لئے عشرت افزا گلشن اور درویشوں کے لیے دلکشا خلوت
کدہ ہے۔ جب کچھ عرصہ خوش وقت ہو کر واپس لوٹا تو ایک نیا نام سننے میں آیا جس

سے کان قطعی طور پر نا آشنا تھے۔ یہ نام تھا ترقی پسندی۔

معلوم ہوا کہ میری غیر حاضری میں ایسی خوشگوار ہوا چلی کہ بچہ بچہ ترقی پسند بن گیا۔ شاعری ترقی پسند ہوئی' ادب ترقی پسند بنا۔ سارا ملک ترقی پسندی کے گن گا رہا تھا۔

یہ غلام بہت خوش ہوا۔ ترقی کون نہیں چاہتا؟ بہت سے احباب جو ملازم تھے ترقی کے لئے مدتوں سے کوشاں تھے۔ یہاں تک کہ اس سلسلے میں کئی مرتبہ بیش قیمت تحفے تحائف بھی دے چکے تھے۔

نوجوان تو اس تحریک کے اس قدر گرویدہ ہوئے کہ ترقی پسندی کو اپنے نام کے ساتھ بطور ڈگری استعمال کرنے لگے۔ تعارف کراتے وقت ہمیشہ ذکر کیا جاتا کہ فلاں ترقی پسند ہے یا نہیں۔

ادھر ترقی پسند ادب کا ریکٹ بڑے زوروں پر تھا۔ یہاں تک کہ پبلشرز اور ایڈیٹروں نے حد بندی مقرر کر دی اور ترقی پسند رسالوں اور اخباروں میں صرف ترقی پسند چیزیں ہی چھپ سکتیں۔

اس فدوی نے بڑے شوق سے اس نئے ادب کا مطالعہ کیا اور اسے بے حد عام فہم پایا۔ ہر کتاب دوسری کتاب سے ملتی تھی۔ تمام افسانے ایک جیسے تھے۔ ساری غزلیں ایک سی تھیں۔ تھوڑے سے مطالعے کے بعد اتنی خود اعتمادی آ گئی کہ افسانے کا آغاز پڑھ کر انجام بنا سکتا تھا۔ غزل کا مطلع سن کر پیشین گئی کر سکتا کہ بقیہ اشعار میں کیا ہو گا۔ ادھر لوگ بڑی سرعت سے ادیب اور شاعر بن رہے تھے۔ جن حضرات کو میں سڑکوں پر سارا دن بے کار گھومتے یا کافی ہاؤس میں گپیں ہانکتے دیکھا کرتا اب اسی نئی دنیائے ادب میں نام پیدا کر چکے تھے۔

یہ حقیر شاعری تو کر چکا تھا لہٰذا ادیب بننے کا شوق چرایا۔ چنانچہ اسی دھن سے ساز ملا کر اسی لے میں الاپنا شروع کر دیا۔ میری چیزوں پر ترقی پسند حلقوں میں تو واہ واہ ہوئی لیکن کچھ لوگ خواہ مخواہ لٹھ لے کر پیچھے پڑ گئے۔ معلوم ہوا کہ ان دنوں دو متضاد کیمپ بن گئے ہیں جو ایک دوسرے کے سامنے مورچہ باندھے منتظر رہتے ہیں۔ میں کچھ حیران ہوا اور ایک بہت بڑے ترقی پسند سے ملا۔ پوچھا کہ کیا یہ ضروری ہے کہ لکھنے کے

لیے کسی ایک کیمپ میں رہا جائے؟

اس نے بتایا کہ یہ بے حد ضروری ہے۔
میں نے کہا۔ "لیکن ان دونوں کیمپوں میں ہر وقت تو تو میں میں ہوتی رہتی ہے جو

مجھے پسند نہیں۔ کیا کوئی غیر جانبدار ہو کر نہیں لکھ سکتا؟"
وہ بولا "اگر آپ غیر جانبدار رہنا چاہتے ہیں تو لکھنا چھوڑ دیجئے۔"
چنانچہ یہ حقیر مجبوراً نقاد بن گیا۔ اس میں بھی ایک راز مضمر تھا جو ابھی بتاؤں گا۔ ویسے ترقی پسندی کا فلسفہ کچھ مشکل نہ تھا۔ اپنے جیسے لوگوں کی سدا تعریفیں کرنا اور جو اشخاص لکھنے لکھانے کے علاوہ روزی کمانے کے لئے محنت کرتے ہیں انہیں ادب کا دشمن قرار دینا۔
افسانہ' مقالہ' غزل۔ سب کے لیے سانچے موجود تھے۔ چانچہ ترقی پسندی کا لیبل لگانے کے لیے یہ ضروری تھا کہ صرف ان مسائل پر قلم اٹھایا جائے جن پر اس تحریک کی بنیاد رکھی گی۔ تنقید کرتے وقت نہ میں پلاٹ کو جانتا' نہ مصنف کے پیغام کو' نہ پیغام کی افادیت کو' ہر چیز میں وہی جانے پہچانے موضوع' وہی مقررہ ترکیبیں اور الفاظ ڈھونڈتا۔ اگر یہ مل جاتے تو ترقی پسندی کا ٹھپہ لگا دیتا۔"
"آپ نے فرمایا تھا کہ نقاد بننے کی وجہ تسمیہ بیان کریں گے۔" خورد نے بات کاٹی۔
"ہاں' تو بات دراصل یہ تھی کہ اس عفی عنہ' کو چند افسانہ نگار اور شاعر شہزادیاں پسند تھیں۔ ان میں سے دو ایک کو تو میں یونیورسٹی سے جانتا تھا اور کئی سال سے لگاتار ان پر فریفتہ تھا۔ لیکن انہوں نے میرا اتنا سا بھی نوٹس نہیں لیا۔ لکھتی وکھتی وہ ایسا ہی تھیں۔ میں نے سوچا کہ اگر ان کی تعریف کرنے لگوں تو شاید ملتفت ہو جائیں۔ موقع بھی میسر تھا۔ چنانچہ میں نے ان کی بے تکی تخلیقات کو سراہنا شروع کر دیا۔ ہر دوسرے تیسرے مہینے اپنے ٹھوس مضامین میں ان کی تعریفیں کرتا لیکن تعجب ہوا کہ یہ مدح سرائی رائیگاں گئی۔ کسی سے پتہ کرایا تو معلوم ہوا کہ شہزادیوں نے ایک لفظ بھی نہیں پڑھا تھا۔ مجھے شبہ ہوا تو ادھر ادھر پوچھنے پر انکشاف ہوا کہ انہوں نے کیا کسی نے

بھی نہیں پڑھا۔ ایسے مضامین یہاں کوئی نہیں پڑھتا کیونکہ انہیں خشک اور ثقیل سمجھا جاتا ہے' جو کہ یہ درحقیقت ہوتے ہیں۔ ویسے بھی نقادوں کی تعداد دن بہ دن بڑھتی جا رہی ہے۔"

"ان کیمپوں کا کیا بنا؟" خورد نے جمائی روکتے ہوئے پوچھا۔

"بتاتا ہوں' سن! یوں تو ہر تحریک کچھ عرصے کے لئے مقبول ہو جاتی ہے۔ لیکن ترقی پسندی کے نام سے خواہ مخواہ خوش فہمی ہوتی تھی کہ اب ہر چیز بہتر ہو جائے گی۔ حالات سدھر جائیں گے۔ انسان ترقی کرے گا۔ دنیا بہتر بن جائے گی۔ لیکن آہستہ آہستہ مایوسی چھانے لگی۔ ادب بالکل جرنلزم بن کر رہ گیا۔ آج کوئی الٹا سیدھا واقعہ ہوا اسی ہفتے اس پر نظم لکھ دی گئی یا افسانہ' اور اگلے مہینے ایک پوری کتاب۔ لوگوں کو بہت جلد معلوم ہو گیا کہ اس تحریک کا پیرہن کاغذی تھا۔ اس تحریک کا مقصد تخریب تھا' تعمیر مفقود تھی۔ یہ ہیرو نہیں تھے۔ پبلک اب تک غلط گھوڑوں پر Betting کرتی رہی تھی۔ ان ترقی پسندوں کی زندگی عمل سے خالی تھی۔ ان کا نظریہ حیات مریضانہ اور قنوطی تھا۔ یہ چاہتے تھے کہ ہر پڑھنے والے کو مالیخولیا ہو جائے۔ ادب کسی خاص طبقے کی میراث نہ ہوا ہے نہ ہو گا۔ چنانچہ لوگ اس وقتی ہنگامے سے تنگ آ گئے' اور ادب سے ایسے بدگمان ہوئے کہ انہوں نے فلمی رسالے پڑھنے شروع کر دیئے۔ فلمی رسالے تو فراری ادب میں شامل نہیں کئے جا سکتے۔ ساتھ ہی ایک عجیب و غریب ادب نے جنم لیا۔ موقعے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے متعدد حضرات نے تاریخی اور مذہبی ناول لکھنے شروع کر دیئے جو ہاتھوں ہاتھ بکے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ بور ہو رہے ہیں۔"

"جی نہیں' بور تو نہیں ہو رہا۔" خورد جمائی لے بولا۔ "فراری ادب پر مجھے ایک چشم دید واقعہ یاد آ گیا۔ طے ہوا کہ ہمارے ضلعے کے جیل میں قیدیوں کو اخلاقی کتابیں پڑھائی جائیں۔ لیکن داروغہ جیل اتفاق سے رجعت پسند تھا۔ وہ سب کتابیں فراری ادب پر خرید لایا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ دو مہینوں کے اندر اندر سارے قیدی فرار ہو گئے۔"

"خیر' تو یہ کمترین بدستور ترقی پسند رہا۔ محض ایک ماہ پارہ کے عشق کی وجہ سے۔ اس بات طناز کو میں نے مینا بازار میں دیکھا۔ میں اپنے دو کتے لئے جا رہا تھا کہ خیال آیا کہ ذرا مینا بازار کا نظارہ کر لوں۔ ایک سٹال پر کچھ خریدنا چاہا لیکن دونوں ہاتھو کو گھرا پایا۔ ایک حسینہ پر تمکین کو قریب پا کر کتوں کی زنجیریں اس کے ہاتھ میں تھما دیں۔ جب خرید سے فراغت ہوئی تو حسینہ مذکور سے کتے طلب کیے۔ اس نے کمال بھولپن سے کہا۔ "ایک کتا تو بلی کے پیچھے بھاگ گیا۔"

انگشت بدنداں سخت پریشان ہوا اور سوال کیا کہ کیونکر بھاگ گیا۔

"یوں بھاگ گیا۔" اس نے دوسرا کتا دوسری بلی کے پیچھے بھگاتے ہوئے کہا۔

کتے تو دونوں مل گے لیکن ادا یہ اس کی درجہ بھائی کہ بجز عاشق ہونے کے اور کوئی صورت نظر نہ آئی۔ اختر شماری شروع کر دی۔ اس علاقے میں جتنے اختر حسن' اختر حسین' جسن اختر' محمد اختر وغیرہ تھے سب گن ڈالے مگر افاقہ نہ ہوا۔

آخر اپنی کزن کی مدد چاہی۔ وہ خالہ جائی بلائیں لے کر بولی۔ "میں آج ہی اسے کلب میں بلاؤں گی۔" چنانچہ شام کو وہ ماہ جبیں کلب میں آئی' اس ٹھسے سے کہ بھاری فروش غرارہ پہنے' عطر لگائے' زیور بیش بہا عجب بہار دکھاتا تھا۔ گلے میں جگنی' چمپا کلی' موتیوں کی مالا' دھگدگی۔ کانوں میں پتے بالیاں' ہاتھوں میں حسین بند' الماس کے کڑے' پاؤں میں سونے کے چھڑے' ناک میں ہیرے کی نتھ' انگلیوں میں جواہرات کی انگوٹھیاں' سر پر چھپکا۔ اس فقیر نے دیکھتے ہی یہ شعر پڑھا۔

جان پڑ جاتی ہے زیور میں پہننے سے ترے
کہیں اڑ جائے نہ جگنی تری جگنو ہو کر

لیکن میری کزن نے بڑے زور سے ہشت کرکے چپ کرا دیا اور اس سے گویا ہوئی کہ "کلب میں بلانے کا تو فقط بہانہ تھا اصل میں ایک پیغام سنانا تھا۔ میرا کزن

جوان زیبا خرام' خوبرو گلگوں' دیکھتے ہی آپ پر شیفتہ و دوالہ ہوا' عشق کا بول بالا ہوا۔ وہ ہزار جان سے تمہارے گل رخسار کا عندلیب شیدا ہے' ہونٹوں پر آہ سرد اور دل میں درد سے عشق کا مرض پیدا ہوا۔ ماشاء اللہ عجیب و غریب نوجوان ہے۔ عجب آن بان ہے۔ لاکھوں جوانوں میں انتخاب ہے' حسن و خوبی میں اپنا آپ جواب ہے۔ تم دونوں کی خوب نبھے گی۔ گہری چھنے گی۔ وہ بھی کمسن' تم بھی جوان' وہ بھی نازک بدن' تم بھی دھان پان' وہ محو جادو آفرینی' تم سرو چمن زار نازنینی۔"

"افوہ! اتنی لمبی چوڑی تمہید کی کیا ضرورت تھی۔" حسینہ نے بات کاٹی۔ "والدین میری شادی کا تہیہ کر چکے ہیں۔ تبھی مجھے پارٹیوں اور کلب وغیرہ جانے کی اجازت اتنی آسانی سے مل جاتی ہے۔ کئی اخباروں میں اشتہارات بھی دیئے گئے ہیں۔ غالباً اگلے مہینے میرا سوئمبر رچایا جائے گا۔ اگر آپ کے کزن کو اتنا ہی ذوق و شوق ہے تو سوئمبر میں شرکت کرے۔"

حسینہ کی یہ تقریر اس حقیر کو نہایت ترقی پسند معلوم ہوئی۔ جب مغربی موسیقی شروع ہوئی تو اس نیاز مند نے اس کے ساتھ Rumba ناچنا چاہا لیکن زیوروں سے ایسی عجیب و غریب آوازیں آنے لگیں کہ ارادہ ترک کر دیا۔ پھر Samba ناچنے کی کوشش کی مگر ایک دوسرے کے ملبوسات آپس میں الجھ کر رہ گئے۔ چنانچہ رقص کی حسرت حسرت ہی رہی۔

سوئمبر قریب آیا تو میری کزن نے اخبار میں چھپا ہوا اشتہار دکھایا۔ جو "ضرورت رشتہ" کے عام اشتہاروں سے ملتا جلتا تھا۔ مگر ترقی پسندی کی عینک لگا کر پڑھا تو عبارت کا مفہوم کچھ یوں سمجھ میں آیا۔

○ اشتہار برائے پبلک

ہر خاص و عام کو اطلاع دی جاتی ہے کہ اگلے مہینے کی ابتدائی تاریخ کو صبح چھ بجے سے

شہزادی ولیمہ جہاں کے سوئمبر کا ٹورنامنٹ شروع ہو گا اور مناسب اور معقول امیدواروں کو شہزادی پر عاشق ہونے کی اجازت ہو گی۔ بشرطیکہ وہ مندرجہ ذیل شرائط پر پورے اترتے ہوں۔

۱۔ کنوار پنے کا سرٹیفکیٹ جس پر صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر کے دستخط ہوں اور امیدوار کے والد کی سالانہ آمدنی اور جائیداد کی تفصیل درج ہو۔

۲۔ تندرستی کا سرٹیفکیٹ جس پر سول سرجن صاحب بہادر کی تصدیق ہو۔

۳۔ دو معزز آدمیوں کے نام اور پتے جو امیدوار کے چال چلن کی ضمانت دیں اور اس کے رشتہ داروں میں سے نہ ہوں۔

۴۔ سرکاری خزانے میں پانچ روپیہ جمع کرانے کی رسید۔

۵۔ طلسماتی چیزیں مثلاً زمینداروں اور سیاستدانوں کی سفارشیں ممنوع ہیں۔

۶۔ امیدوار ایک ہفتے کا راشن' بستر اور وفادار ملازم ہمراہ لائیں۔

۷۔ مہاجر کو ترجیح دی جائے گی۔

۸۔ کامیاب امیدوار کو شہزادی ولیمہ کے علاوہ جائیداد کا تہائی حصہ بطور انعام ملے گا۔

نوٹ : سب کو خبردار کیا جاتا ہے کہ خواہ مخواہ عاشق ہونے کی ہرگز اجازت نہیں ہے۔ اس قسم کا امیدوار ایسی سزا کا مستحق ہو گا جو پچاس روپے جرمانہ یا تین ماہ کی قید یا دونوں ہو سکتی ہے۔

اس ناچیز نے اس شاندار ترقی پسند سپرٹ پر اظہار مسرت کیا اور دعا مانگی کہ دنیا کی ہر شہزادی کی شادی اسی طرح ہوا کرے۔ فوراً کاغذات مکمل کر کے گھوڑا منگایا۔ سیڑھی لگا کر سوار ہو اور سوئے ٹورنامنٹ روانہ ہوا۔ مقابلہ نہایت شاندار رہا۔ طرح طرح کے امتحان لیے گئے۔ آئی کیو (I.Q.) بھی ٹیسٹ کیا گیا۔ جو زیادہ ذہین تھے انہیں نکال دیا گیا۔ اتفاق سے ایک حبشی بھی کہیں سے آن ٹپکا۔ اسے یہ سزا دی گئی کہ فہرست سے خارج کرتے وقت اس کے منہ پر سفیدی مل کر سارے شہر میں پھرایا گیا تا کہ سب کو عبرت ہو۔

چند رجعت پسند امیدواروں نے آتے ہی پہلا سوال یہ کیا کہ جائیداد کا کون سا حصہ ملے گا' شمالی یا جنوبی؟ جواب ملنے پر وہ راتوں رات فرار ہو گئے کیونکہ وہ علاقہ نہری نہ تھا۔ وہاں ٹیوب ویل لگانے کی ضرورت تھی۔

خاکسار سیمی فائنل جیت کر فائنل تک جا پہنچا۔ اتنے میں نہ جانے شہزادی کے ماموں کا لڑکا کہاں سے آ مرا۔ یہ مردک کہ بیحد نحیف و نزار تھا ایک بہت بڑی جائیداد کا تنہا وارث تھا (اور صحت اس کے باپ کی گرتی جا رہی تھی) اس مردود کے مقابلے میں یہ ناچیز قدرے مفلس تھا۔ مفلس عاشق کہلاتے ویسے بھی شرم محسوس ہوتی ہے۔ مگر یہ سچ ہے کہ

مفلسی سب بہار کھوتی ہے
آدمی کا وقار کھوتی ہے

اس کم بخت کے آ جانے سے ٹورنمنٹ کا رنگ ہی بدل گیا۔ نہایت سرمایہ دارانہ سوالات پوچھے جاتے۔ ادھر شہزادی کی اماں نے نے برادر زادے کے لئے رو رو کر برا حال کر لیا۔ آخر وہ سب کے سب رجعت پسند ثابت ہوئے اور فیصلہ اس معلون کے حق میں کیا گیا۔

ٹورنامنٹ کے نتیجے کی خبر وحشت ناک سنتے ہی موم جامہ صبر چاک ہوا۔ ماتمی لباس پہنے اس حال میں تھا کہ نہ سر پر جوتا نہ پاؤں میں پگڑی۔ لیکن شہزادی کے والد نے اس حقیر کو خلاف توقع مبارکباد دی اور کہا کہ لڑکی کو اس کی والدہ نے بے حد بگاڑ رکھا ہے۔ شاید تو نے بیگم کو نہیں دیکھا جو دراصل بے غم ہے۔ لڑکی بھی چند سال کے بعد ویسی ہی لحیم و شحیم بن جائے گی۔ اگرچہ مجھے موٹاپا مرغوب نہیں لیکن وائے نادانی کیا بتاؤں کہ "میں اسیر دام فربہی رہا ہوں۔ اے نوجوان تو گھاٹے میں نہیں رہا۔" اس کے بعد ترنم سے فرمایا۔

تم بھی بیاہ کرو تو جانو
ہم دکھیوں کی فریادوں کو

اس بیان سے اس نیاز مند کو تسلی تو نہ ہوئی لیکن یہ یقین ہو گیا کہ شہزادیاں اس ملک کی ہرگز ترقی پسند نہیں ہیں۔

"یا پیر و مرشد ایک بات پوچھوں۔" خورد نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"دو پوچھ۔"

"اب دو ہی پوچھوں گا۔ یہ بتایئے کہ کبھی آپ کو کسی سے سچ مچ محبت بھی ہوئی؟"

"ہاں ہوئی تھی۔ یہ شہزادی فارغ التحصیل بلکہ فارغ الصلع ہو چکی تھی۔ ہم دونوں جرنلزم کی کلاس میں ملتے۔ ہائیکورٹ کے پاس جو باغیچہ ہے' وہاں اکثر جایا کرتے۔ وہیں میں نے اسے کورٹ کرنا شروع کیا۔ اس کے رخ روشن پر عموماً ایک خال ہوتا۔ یہ خال کبھی پیشانی پر ہوتا' کبھی رخسار پر' تو کبھی ٹھوڑی پر۔ اور کسی روز سرے سے غائب ہوتا۔ میں حیرت سے یہ شعر زبان پر لایا۔

مصحف رخ پہ تیرے خال نگہبان ہوا
یہ غلام حبشی حافظ قرآن ہوا

تس پہ اس نے فوراً مطلع کیا کہ خال و مصنوعی تھا اور سرے سے محض زیبائش کی خاطر بنایا۔ میں نے جھٹ سرخ ہونٹوں کی تعریف کی۔

لال ہیں آپ ہی لب سرخی پاں دور رہے

نازکی کہتی ہے' یہ بار گراں دور رہے

اس پر شہزادی سے میں نے عجب تمسخر سے فرمایا کہ یہ پان وان کی سرخی نہیں میکس فیکٹری کی بڑھیا لپ سٹک ہے۔ اگرچہ اس فقیر کو علم تھا کہ لپ اسٹک کی سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ سٹک نہیں کرتی' تاہم موضوع بدلنا پڑا اور پامسٹری کا ذکر چھڑا۔ وہ بولی کہ میں جانتی ہوں آپ حیلے سے میری خوشامد کرنا چاہتے ہیں۔
میں نے چوڑیوں کی طرف دیکھ کر کہا۔ "کیا میں انہیں چھو سکتا ہوں؟"
وہ بولی "آپ اسی بہانے سے میرا ہاتھ تھامنا چاہتے ہیں۔"
اس صاف گوئی پر یہ درویش باغ باغ ہو گیا۔ ماشاء اللہ کیا ترقی پسند محبوبہ تھی۔ بے حد مسرت کا سامنا ہوا۔ سوچا کہ جب انجام مقررہ ہے تو فرار بزدلی میں شامل ہے۔

بیاہ کا ایک دن معین ہے
نیند کیوں رات بھر نہیں آتی

چنانچہ میں نے اسے شادی کے لیے کہہ دیا۔
بولی "آپ خراٹے تو نہیں لیتے؟"
میں نے نفی میں سر ہلا دیا۔ اس پر کہنے لگی۔ "تو پھر مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ آپ جائیے اور میرے والدین کو منا لیجیے۔"
یہ جواب بھی ترقی پسند تھا اور اس فدوی کو پسند آیا۔ میں سیدھا اس کے والدین کے پاس پہنچا اور سوال کیا۔ انہوں نے پہلے اس کمترین کا شجرۂ نسب حضرت آدم تک دریافت کیا۔ پھر جملہ متعلقین کے متعلق طرح طرح کے سوالات پوچھتے رہے۔ معلوم ہوتا تھا گویا تہمت لگا رہے ہوں۔ پھر بولے۔ "اگر تم دونوں میں سے خدا نخواستہ کسی کا انتقال

ہو گیا تو لڑکی کے لیے کیا انتظام ہو گا؟ کوئی ذاتی ملکیت یا بیمے کی پالیسی ہے؟" پھر مہر کا قضیہ شروع ہوا۔ جیسے نیلامی ہو رہی ہو۔ میں نے عرض کیا۔ "میرا ارادہ نیک ہے اور انشاء اللہ مہر کی ادائیگی تک نوبت ہی نہ پہنچے گی۔ آخر آپ اپنے اتنے لمبے چوڑے مہر کے لیے کیوں مصر ہیں۔ وہ بولے "اگر مہر تھوڑا لکھا گیا تو دنیا کے سامنے ہماری ناک کٹ جائے گی۔" خیر یہ حقیر مان گیا۔

وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ پرانی رسومات ساری ادا کی جائیں۔ میں معروض ہوا کہ ہجوم اکٹھا کرکے غل مچانا ایام جاہلیت کی رسم ہے جب پبلسٹی کا یہی ایک طریقہ تھا کہ لوگوں کو بلا کر دکھا دیا جاتا تھا کہ واقعی شادی ہوئی ہے تا کہ وہ سب بعد میں گواہ رہیں۔ اب تو فوراً اخبار میں تصویر آ جاتی ہے اور پھر شور و غل سے یہ احقر بہت گھبراتا ہے۔ ہاتھ پاؤں میں رعشہ آتا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے میں سچ مچ کچھ کر بیٹھا ہوں' لیکن وہ بدستور مصر رہے۔

آخر یہ تجویز پیش کی کہ شادی دو حصوں میں ہو۔ پہلے مجھے فارغ کر دیں' پھر مہینوں بلکہ سال بھر تک روشنیاں جلا کر خوب ڈھول بجائیں اور دعوتوں پر سارے ایشیا کو (معہ ایشیائے کوچک کے) مدعو کر لیں۔

وہ کمال درجہ رجعت پسند نکلے کہ نہ مانے۔

اسی طرح وقت گزرتا گیا۔ کسی نے مشورہ دیا کہ شہزادی کو دوبارہ بغور تو دیکھو۔ دیکھا تو واقعی حلیہ بدل چکا تھا۔ بھنویں اکھیڑنا' بال ترشوانا' ناخن پالنا۔ ان خوبیوں کا مجھے پہلے علم نہ تھا۔ اونچے جوتوں اور میک اپ سے کسی روز بے حد لمبی ہوتی۔ گھر میں سادہ کپڑوں میں دیکھتا تو چھوٹی اور موٹی دکھائی دیتی۔ رنگ و روغن کی وجہ سے اصلی شکل دیکھنا محال تھا۔ چنانچہ عشق و عاشقی کو بالائے انگیٹھی رکھا اور ان رجعت پسندوں کو ان کے حال پر چھوڑا۔

بعد میں ایک روز کا ذکر ہے کہ کچھ تنزل پسند ایک ترقی پسند کو سر بازار پھول مار رہے تھے اور وہ خاموش کھڑا برداشت کر رہا تھا۔ میں کچھ دیر تو کھڑا دیکھتا رہا۔ پھر ایک

اچھا سا پتھر اٹھا کر کھینچ مارا۔ وہ بلبلا اٹھا اور بولا "اے مرد سخن فہم' یہ سب تو بے سمجھ ہیں' یہ نہیں جانتے کہ کیا کر رہے ہیں' تو ترقی پسند ہے۔ تجھ سے ہرگز یہ امید نہ تھی۔"

اس واقعے کے بعد الجھن سی پیدا ہو گئی۔ کیسے ترقی پسند اور کہاں کی ترقی پسندی؟ لوگ جہاں تھے وہیں کے وہیں ہیں۔ کوئی کسی رخ میں بھی ترقی نہیں کر رہا۔ ویسے میرے اور ترقی پسندی کے تعلقات ہمیشہ کشیدہ ہی رہے۔ ہم نے ایک دوسرے کو زیادہ سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ شاید مجھے شہزادیوں کی وجہ سے اس طبقے سے کچھ چڑ سی ہو گئی تھی۔"

"اس کے بعد کیا ہوا؟"

"اس کے بعد یہ ہوا کہ تنقید نگاری کی بدولت مجھے پگڑیاں اچھالنے میں خاصی مہارت ہو گئی۔ ادھر فلمی پرچوں کی مانگ بڑھتی جا رہی تھی۔ چنانچہ یہ فقیر فلمی نقاد بن گیا اور فلمی ستاروں کے متعلق تازہ ترین افواہیں بہم پہنچانے لگا۔ کروڑوں پڑھنے والے میری رنگین تحریروں کا بڑی بے صبری سے انتظار کیا کرتے۔ فلمساز اور اداکار مجھ سے ڈرنے لگے۔ کئی حسیناؤں سے اسی بہانے دوستی ہو گئی۔ ترقی پسند اور رجعت پسند دونوں مجھ پر رشک کرنے لگے۔"

"پھر کیا ہوا؟"

"پھر خاک ہوا' ڈھول ہوا۔" کلاں نے جھلا کر کہا۔

"ابھی کتنا سفر باقی ہے؟"

"تو بڑا بے صبر ہے۔ اچھا لے یہ سفر یہیں ختم ہوا۔ یونہی طبیعت بدمزہ کر دی۔ اگلی مرتبہ جب فرصت ہو تو آئیو۔"

سر شام جہاز باد خورد آن دھمکا اور یوں گویا ہوا۔

"صبح جو کچھ ہوا اس کے لئے معافی کا خواستگار ہوں۔ سزا کے طور پر تیسرا سفر دوبارہ سننے کو تیار ہوں۔"

جہاز باد کلاں مسکرا کر بولا۔ "ہم معاف کرتے ہیں اور چوتھا سفر پہلی مرتبہ بناتے ہیں۔"

○ جہاز باد سندھی کا چوتھا سفر

"فصل بہار آئی پیو صوفیو شراب

بس ہو چکی نماز مصلا اٹھایئے

اے رفیق دیرینہ! ایک رات کا ذکر ہے کہ میں نے ایک بھونکتے ہوئے کتے کو مارنے کے لیے ایک وزنی سے کتاب اٹھائی۔ کتا دور جا چکا تھا' لہٰذا ورق گردانی کرنے لگا اور پڑھتے پڑھتے سو گیا۔ علی الصبح جو اٹھا تو اپنے آپ کو پرولتاری پایا۔ سوچا کہ شاید مشیت ایزدی اسی میں ہے کہ پرولتاری بنوں اور نام بناؤں۔"
"اے ہمدم طوطی گفتار' لفظ پرولتاری سے آپ کی کیا مراد ہے؟"
"یہ ایک انگریزی لفظ کا نعم البدل ہے اردو میں۔ ڈکشنری دیکھ' بہت کچھ معلوم ہو گا۔

پرولتاری بننا آسان کام نہیں۔ بڑی ہمت چاہیے۔ دن رات بھاری بھاری کتابوں کا مطالعہ کرنا پڑتا ہے۔ طویل اور Boring لیکچروں میں جانا پڑتا ہے۔ پریکٹیکل الگ ہوتے ہیں۔ بہت جلد فدوی نے یہ کورس مکمل کر لیا۔ ساتھ ہی زندگی میں کئی تبدیلیاں آ گئیں۔ اٹھنا بیٹھنا صرف پرولتاریوں میں ہوتا۔ بڑی طویل بحثیں ہوا کرتیں۔ پرولتاری ہونے کا سب سے بڑا فائدہ یہ تھا کہ ہمیں مذہب' سیاست' جنس اور دیگر اہم مسائل پر اپنے ہونق اور اونٹ پٹانگ نظریوں کا اظہار کرنے کی پوری آزادی تھی۔ ہماری انوکھی اور بصیرت افروز باتیں سن کر عوام چونک چونک پڑتے۔ ہر مذہب کو ہم تضیع اوقات سمجھتے۔ انسانی رویے کے عالمگیر قوانین ہمارے لیے لغو اور مہمل تھے۔ ہر انسان' ہر اصول' ہر مسلمہ حقیقت کو ہم نہ صرف شبے کی نظر سے دیکھتے بلکہ منٹوں میں دھجیاں اڑا دیتے۔ عجب

دن تھے وہ بھی۔ کیا رعب تھا' کیا دبدبہ تھا۔ سڑک پر پرولتاری چلتا تو لوگ ادھر ادھر ہٹ کر راستہ دیتے' جھک جھک کر سلام کرتے۔ کیا مجال جو کوئی ہم سے بحث کر سکے۔

ہمارے چند ہی فقروں کے بعد وہ یوں خاموش ہو جاتا جیسے سانپ سونگھ گیا ہو۔ بڑے سے بڑے ہجوم میں محض چند پرولتاریوں کی آمد قیامت برپا کر سکتی تھی۔

"بھاگ چلو یارو' پرولتاری آ گئے" کا نعرہ لگا کر وہ ایسے بھاگتے کہ ٹوپیاں اور جوتیاں تک چھوڑ جاتے۔

جہاں ہم نے مقامی پبلک کو آگے لگا رکھا تھا' وہاں مقامی لڑکیاں تھیں کہ سیدھے منہ بات نہ کرتی تھیں۔ وہ ہم سے بدگمان تھیں۔ ہم مذہب' دوستی' ایمان' فلسفہ' عشق۔ سب کے پرخچے ضرور اڑاتے تھے' لیکن یہ سب دکھاوے کے لیے تھا۔ کبھی کبھی ہمارے دل بھی محبت کی آگ سے سلگنے لگتے۔ ضرورت پڑنے پر ہم خدا کا واسطہ دیا کرتے۔ مصیبت پڑتی تو دعائیں مانگتے۔ رہ گئی جنس' سو اس کے متعلق ہمارا تجربہ اتنا ہی تھا جتنا کہ غیر پرولتاریوں کا۔ لیکن ہماری معلومات کا ماخذ فرائیڈ' ڈی ایچ لارنس اور دیگر حضرات کی کتابیں تھیں۔ خیالات ان کے تھے بیان ہمارا تھا۔ اگرچہ ہم نے ان مصنفین کا حوالہ کبھی نہیں دیا اور ہاں میں بتانا بھول گیا کہ پرولتاری ایک انقلاب بھی چاہتے تھے۔"

"کیسا انقلاب؟"

"کبھی ایک عالمگیر انقلاب' تو کبھی ملکی یا غیر ملکی انقلاب۔ بعض اوقات ہم مقامی انقلاب پر ہی قناعت کر جاتے ہیں۔ بس انقلاب ہو' کہیں' کسی قسم کا' کسی سائز کا۔ چنانچہ ہم بار بار پبلک کو انقلاب کے لیے اکساتے' ہم چاہتے تھے کہ ہنگامے بپا ہوں لیکن مجھے غصہ تھا تو اس پر کہ یہی لڑکیاں جو ہم سے ملنا اپنی ہتک سمجھتیں کلب میں اغیار کے ساتھ وہ دھماچوکڑی مچاتیں کہ خدا کی پناہ۔ ایک خاص طبقے سے تو خوب چہلیں کرتیں۔ یہ حضرات بھی عجیب تھے۔ ویسے اچھے بھلے تھے' لیکن اپنے آپ کو بے حد غمزدہ اور بدنصیب سمجھتے۔ اس کی وجہ اپنا بے حد کامل ہونا بتاتے۔ ہر ایک ماشاء اللہ چھ چھ

سات سات بچوں کا باپ تھا۔ ان کی ایک ہی رٹ تھی کہ ان کی ازدواجی زندگی نہایت غمناک ہے اور وہ بیوی سے تقریباً تقریباً علیحدہ ہو چکے ہیں۔ اتنی بڑی دنیا میں کسی نے انہیں سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ اس بہانے وہ ہر لڑکی سے فلرٹ کرتے' چونکہ ان کے پاس کاریں تھیں' اس لیے یہ بورژوا تھے۔"

"اس ناچیز کے چچا جان جو تھانیدار ہیں کار رکھتے ہیں۔ کیا وہ بھی بورژوا ہیں؟" خورد نے پوچھا۔

"ضرور ہوں گے۔ تو یہ شادی شدہ بورژوا حضرات دن بھر کاروں میں لڑکیوں کو لیے لیے پھرتے۔ لطف یہ ہے کہ ان میں سے کوئی پینتالیس برس سے کم نہ تھا۔ پتہ نہیں انہیں اس میں کیا ملتا تھا؟"

"غالباً انہیں سن تیس اکتیس کے پرانے ماڈل پسند نہیں تھے اور نئے Stream lined ماڈل درحقیقت دیدہ زیب ہوتے ہیں۔ خورد نے مودبانہ عرض کیا۔

"مگر یہ نئے ماڈل ان کا خوب مذاق اڑاتے۔ ملتے ہی سوال ہوتا ہے کہ اپ کی ننھی بچی کا اب کیا حال ہے؟ آپ کے لڑکے کا بخار اترا؟ بیوی کا کوئی خط آیا؟ بڑی لڑکی کی کب شادی ہو رہی ہے؟ دیکھیے ہمیں ضرور بلایئے' مگر یہ بورژوا تھے کہ..."

"ویسے بورژوا ہوتا کیا ہے؟"

"بورژوا وہ ہے ... (کلاں نے چہرے کے اظہار اور ہاتھوں کی جنبش سے بتانے کی کوشش کی) جو ... جو بالکل بورژوا ہو۔ سنا ہے کہ فرانس میں سوداگروں کا ایک طبقہ رہتا تھا ایس بورژوا کے نام سے پکارتے تھے' لیکن یہ کافی عرصے کا ذکر ہے۔"

"یا پیر و مرشد' ایوننگ ان پیرس کی نیلی شیشی پر بھی عطر کے نام کے نیچے بورژوا لکھا ہوتا ہے۔"

"اللہ بہتر جانتا ہے کہ اس کے کیے میں دخل دینا سخت نادانی ہے۔ تو میں نے لڑکیوں سے ان بورژوا حضرات کی خوب برائیاں کیں اور انہیں بہت سمجھایا۔ یہ بھی کہا کہ یہ سب سرمایہ دار ہیں اور سماج کے دشمن ہیں۔ وہ ہنسنے لگیں کہ کار کو چھوڑ کر ان

کے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہے۔ بینک میں ان کا حساب صفر ہے بلکہ مقروض رہتے ہیں۔ میں نے بتایا کہ سرمایہ دار ہونے کے لیے سرمائے کی ضرورت نہیں۔ یہ سرمایہ دارانہ ذہنیت ہے جس پر غصہ آتا ہے۔ وہ بولیں' جب سرمایہ نہیں تو ذہنیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگرچہ میں خود پرولتاریت سے اکتا چکا تھا' لیکن یہ گلے کا ڈھول تھا' کچھ عرصہ بجانا پڑا۔

آخر ایک دن میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ ایک ذلیل سی پرانی موٹر کہیں سے خریدی اور بورژوا بن گیا۔ دہنے بائیں ہر لڑکی سے فلرٹ کرنا شروع کیا اور ہرجائی کے نام سے شہرت پائی۔"

"آہا تو آپ ہرجای بھی رہ چکے ہیں۔ ملایئے ہاتھ۔ یہ ناشدنی بھی ہرجائی رہ چکا ہے۔ آہ! سب سے بڑی ٹریجڈی یہ ہے کہ زندگی بے حد مختصر ہے اور حسین چہرے تعداد میں اتنے زیادہ ہیں۔"

"لیکن دو تین لڑکیاں تو سچ مچ پسند آ گئیں اور ارادہ اس خاکسار کا شادی کرنے کا تھا۔"

"ان سب سے؟" خورد چونک پڑا۔

"نہیں ایک سے' لیکن معلوم ہوا کہ لڑکیوں کی توقعات بہت زیادہ ہیں۔ کورٹ شپ میں وہ صرف لڑکے کے نقائص معلوم کرنا چاہتی ہیں۔ انہیں فوراً پتہ چل جاتا ہے کہ ہونے والی ساس کس مزاج کی ہے۔ کنبے میں بہت زیادہ لوگ تو نہیں۔ لڑکے کی تنخواہ کا گریڈ کیا ہے اور یہ گریڈ اسے ملے گا بھی یا نہیں۔ مرید بننے کے کیا امکانات ہیں۔ شکی مزاج تو نہیں کہ ذرا دوسرے مرد سے بات کی اور خفا ہو گیا۔"

"پتہ نہیں' البتہ شادی کے متعلق سنجیدگی سے صرف ایک طبقہ سوچتا ہے۔ اور وہ ہے خاوندوں کا طبقہ۔ یہ امر تسلیم شدہ ہے کہ حقیقی مسرت کو انسان تب تک نہیں پہچانتا جب تک اس کی شادی نہیں ہوتی۔ لیکن تب بہت دیر ہو چکتی ہے۔"

"یار تو بات مت کاٹ' چپ چاپ سنتا رہ۔ یہ لڑکیاں بے حد Materialistic تھیں۔

جوں جوں وقت گزرتا گیا' میں ہر چیز سے بیزار ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ شادی سے

ڈرنے لگا۔ ان لوگوں سے بھی خوف کھاتا جو خسر بنتے بنتے بال بال بچ گئے۔ ہر رات سونے سے پہلے اس قسم کی دعا مانگتا کہ "اے پروردگار میرے حال پر رحم فرما۔ رشیدہ

کی کہیں شادی کر دے۔ نرگس بنت غفور کی کہیں منگنی ہو جائے۔ مس رٹا معراج دین اور ڈور وتھی فونٹل کا بھی کہیں انتظام کرا دے۔"

"لیکن اس کا بورژوا ہونے سے کیا تعلق ہے؟ کاش کہ موضوع بدل جائے۔" خورد جو اتنی دیر میں ڈکشنری دیکھ چکا تھا بولا۔

"بہت اچھا اب اس سفر میں ایک چیز باقی رہ گئی ہے۔ تجھے یاد ہو گا کہ الف لیلہ کے سند باد کی ملاقات تسمہ پیر سے ہوی تھی جس کے چنگل سے بڑی مصیبتوں کے بعد نکلا تھا۔ میرا بھی ایک ایسے ہی مسخرے سے واسطہ پڑا۔ ایک سمندری سفر سے لوٹتے وقت میں ایک بندرگاہ پر اترا جہاں بندر ہی بندر تھے۔ وہاں ایک انشورنس ایجنٹ میرے پیچھے لگ گیا۔ ایسا تعاقب کسی نے کسی کا نہ کیا ہو گا۔ چوبیس گھنٹوں میں وہ فقط تین چار گھنٹے مجھے چھوڑتا ورنہ ساتھ رہتا۔ اس سے دور رہنے کے لیے میں نے کیا کیا جتن نہ کئے۔ اس کی منت سماجت کی، اسے ڈرایا دھمکایا، آخر تنگ آ کر خودکشی کی دھمکی دی، تس پہ وہ بولا کہ میں بھی ساتھ خودکشی کروں گا اور پالیسی دینے کے لئے اگلے جہاں تک پیچھا نہ چھوڑوں گا۔ جب میں نے سچ مچ پستول دکھایا تو وہ ملتجی ہوا کہ اے مرد نیک خصلت اگر تو واقعی خودکشی کر رہا ہے تو پالیسی مفت لے لے لیکن وارث مجھے بنا جا۔ مجھے اتنا غصہ آیا کہ خودکشی کا ارادہ ترک کر دیا اور سیدھا کباڑی بازار میں الف لیلہ کا نسخہ مطالعہ کرنے گیا تا کہ کوئی ترکیب نکالوں۔ سند باد نے اس مرد نابکار کو انگوروں کی شراب پلا کر مدہوش کیا تھا، لہٰذا میں نے بادہ فرنگی پلایا، لیکن اثر الٹا ہوا۔ پی کر وہ اپنے تئیں ہوش میں نہ رہا، کچھ دیر واہی تباہی بکتا رہا پھر اس حقیر کو خوب زد و کوب کیا۔ بے حد حیران ہوا کہ خود اپنے ہاتھوں اسیر دام بلا ہوا، خود گرفتار بحر ستم ہوا۔

جب اگلے روز وہ مجھے سڑک پر ملا تو شرما کر اس نے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ اس کے بعد جب کہیں ملتا خجل ہو کر رہ جاتا ہے۔ خیر اس طرح میری نجات ہوئی لیکن

الف لیلہ سے عقیدہ اٹھ گیا۔"

"گستاخی معاف۔" خود بولا "شروع سے اب تک جو واقعات آپ نے سنائے ہیں' بالکل الل ٹپ ہیں۔ غالباً آپ کے پاس کہنے کو کچھ نہیں ہے۔ پتہ نہیں آپ ثابت کیا کرنا چاہتے ہیں؟ آپ کا یہ سفر بھی نہایت بے تکا رہا۔"

"مگر تو نے مجھے بار بار ٹوکا بھی تو ہے۔ شاید ایک دن میں دو سفر سن کر تو اکتا گیا ہے۔ اب آئندہ تجھے ایک لفظ نہ سناؤں گا جب تک تو ہونٹ سی لینے کا وعدہ نہ کرے۔"

"کس کے ہونٹ؟ آپ کے؟"

"نہیں اپنے۔"

اور وہ دونوں خنداں ہوئے۔ فرحاں ہو کر شک و شبہات دور ہوے۔ دل صاف ہوئے اور جہاز باد کلاں کا چوتھا سفر تمام ہوا۔

اگلے روز جب شاہباز نجوم نے آفتاب پر جال پھینک کر شکار کیا۔ سیاہ انوار کو شکست ہوئی۔ ظلمت کی حکمرانی ہوئی تب جہاز باد خورد حاضر ہو کر بولا۔ "یا استاد کلاں اپنا پانچواں سفر بیان کر کہ میں دو روز تک تیرے ہاں قیام کروں گا۔ اپنی گھڑی بھی کسی کو دے آیا ہوں اور دو بوتلیں ساتھ لایا ہوں۔ اب مجھے سماعت کے لئے تیار سمجھو۔"

جہاز باد کلاں نے یوں کلام کیا۔

○ جہاز باد سندھی کا پانچواں سفر

"دل دکھایا کسی گل چیں نے کوئی گل توڑا

باغ سے نالہ بلبل کی صدا آتی ہے"

اس پر خورد پھر بول اٹھا۔ "بھائی ایک صلاح ہم دیں گے۔ وہ یہ کہ آئندہ آپ ایسے اوٹ پٹانگ اور بے محل شعر کم از کم اپنے محل میں نہ پڑھا کریں۔ اب تک جو اشعار حضور نے پڑھے ان کا قصے سے کوئی سروکار نہ تھا۔"
"اے نوجوان بلند بخت! اعتراض کرنا تیری سرشت میں ہے۔ یہ اشعار میں نے روایات قدیم کو مدنظر رکھتے ہوئے پڑھے۔ پرانے زمانے میں دستور تھا کہ داستان گوئی اشعار کے بغیر نامکمل تھی۔ اسے محض رواداری سمجھ۔ "رواداری بشرط استواری اصل ایماں ہے۔"

"روا داری نہیں۔ وفاداری بشرط استواری۔" خورد نے لقمہ دیا۔
"اچھا بابا وفاداری سہی' لیکن واسطہ ہے تجھے اپنے پیر کا۔ اگر تیرا کوئی پیر ہے تو تو خاموش رہ۔ آج کا سفر بالکل مختصر ہے اور غالباً آخری سفر ہو گا۔ لہٰذا آج کا رات ساز درد نہ چھیڑ۔
سن میں زیادہ دیر بورڑوا نہ رہ سکا۔ لوگ اس لفظ کے نہ ہجے کر سکتے تھے نہ صحیح تلفظ کسی کو آتا تھا۔ بار بار معنے پوچھتے۔ ادھر میری کار بھی بک چکی تھی۔ سوچا کہ ذہنی ارتقاء کی منزلیں طے کرنے کی غرض سے یہ سفر شروع کیے تھے ورنہ کافی ہاؤس برا نہ تھا چنانچہ پھر باہر نکلنے کی ٹھانی۔ موسم گرما گزارنے کے لے سانگلہ ہل کا رخ کیا کہ اسی بہانے بڑے بڑے آدمیوں سے ملاقات ہو جائے گی۔ وہاں نہ جانے کیا ہوا کہ خیالات اس ناچیز کے دفعۃً بدل گئے۔ غالباً یہ اونچے طبقے کی صحبت کا اثر تھا کہ خاکسار منزلیں مارتا کہیں کا کہیں جا نکلا۔ آخر کار اس جگہ پہنچ گیا جہاں تو مجھے آج دیکھ رہا ہے۔ اب میں بالکل بے نیاز ہوں۔ کسی کی پرواہ نہیں کرتا۔ مطلب ہو تو خیر ورنہ کسی کی مدد نہیں کرتا۔ کسی کو خط نہیں لکھتا۔ لوگوں سے تب ہی ملتا ہوں اگر کوئی

کام ہو۔ بلا غرض کسی کو مدعو نہیں کرتا۔ نہ زیادہ سوچتا ہوں نہ محنت کرتا ہوں۔ بھلا

دنیا کے جھمیلے آج تک کسی سے ختم ہوئے ہیں جو میں اور تو انہیں ختم کر سکیں گے؟ ہر قسم کی تقریر و تحریر سے اعتبار اٹھ چکا ہے۔ پڑھنا لکھنا' ملنا جلنا یہ سب بیکار باتیں ہیں۔ شہزادیوں کی متواتر بیوفائی سے شادی میں بھی دلچسپی نہیں رہی۔ بچوں کی سماجی حیثیت پالتو جانوروں پرندوں کی سی ہے۔ چند سال کھیلو پھر بڑے ہو جاتے ہیں اور ماں باپ کو بیوقوف سمجھنے لگتے ہیں۔ میرے پڑوسیوں نے میرے نظریوں کی استقامت میں بڑی مدد دی ہے۔ آ تجھے بھی قدرت کا تماشہ دکھاؤں۔"

یہ کہہ کر وہ خورد کو دریچے تک لے گیا۔ کواڑ کھولنے کی دیر تھی کہ دوسرے گھر سے چیخم دھاڑ سنائی دے۔ کئی بچے بڑی بھیانک آواز میں چلا چلا کر رو رہے تھے۔ خورد نے کانوں میں انگلیاں ڈالیں تو کلاں نے دریچہ بند کیا۔

"اے میرے دوست! جب کبھی مجھے گھر بسانے کا یا آئندہ نسل کے متعلق خیال آتا ہے تو فوراً یہ دریچہ کھول کر بیٹھ جاتا ہوں اور عبرت حاصل کرتا ہوں اور پھر اگلی نسل کی مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ جس روز میں اس جہان سے رخصت ہوا وعدہ کرتا ہوں کہ بچوں کو خاندان کا نام روشن کرتے دیکھنے دوبارہ ہرگز نہیں آؤں گا۔"

"افوہ! چچ چچ' یہ بیٹھے بٹھائے کیا ہو گیا۔" خورد نے اظہار افسوس کیا۔

"اب میں Nihilist ہوں' نی ہلسٹ!" کلاں نے اپنے سینے پر مکوں کی بارش کرتے ہوئے کہا۔ "خبردار جو اس لفظ کے معنی پوچھے ہوں تو' اور اے مرد جلد باز میرے پانچوں سفر تمام ہوئے۔ آفیشلی مجھے سات سفر کرنے چاہئیں تھے لیکن دنیا کے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے پانچ کافی ہیں۔ ویسے بھی محسوس ہو رہا ہے کہ ذہنی تگ و دو میں اپنی منزل میں نے پا لی ہے۔ میرا مقام مجھے ہاتھ آ گیا ہے۔ اور تو جو یوں بیوقوفوں کی طرح دیکھ رہا ہے اگر چاہے تو بقیہ دو سفر تو کر آ۔ میری طرف سے اجازت ہے۔"

"جی نہیں' ایسے ماحول اور ایسا محل چھوڑنے کا کس کا جی چاہتا ہے؟"

"یہ محل میرا کہاں ہے' الاٹ شدہ ہے۔ شروع شروع میں خاکسار نے اخباروں رسالوں

میں بڑے درد ناک بیانات چھپوائے کہ میں ایک اردو اکادمی کھولنا چاہتا ہوں۔ پبلک نے زبانی حوصلہ افزائی تو بہت کی لیکن چندہ کسی نے نہ بھیجا۔ دراصل پبلک بڑی ہوشیار ہو گئی ہے' فوراً سمجھ جاتی ہے۔ (سرگوشیوں میں) اے رفیق تنہائی یہ اکادمی کا ریکٹ چل جاتا تو دولت کا ڈھیر لگ جاتا اور برخوردار تیری Post War Plan کیا ہے؟ نوکری کے لئے اپنا نام رجسٹر کروایا؟"

"نام رجسٹر تو نہیں کرایا لیکن جس محلے میں رہتا ہوں' وہاں چوہے بلیاں اور کتے بہت زیادہ ہیں۔ سوچ رہا ہوں کہ وہاں ایک چینی ریستوران کھول لوں۔"

"اس سے تو یہ بہتر ہے کہ میرے ساتھ شرکت کر۔ تو کافی فرمانبردار نوجوان نظر آتا ہے کہ کام تجھے کوئی خاص نہیں ہے۔ تیری بلند پیشانی کو دیکھ کر میرا موڈ یکلخت ادبی و علمی ہو گیا ہے۔"

"یہ بلند پیشانی نہیں' گنجے پن کی پہلی نشانی ہے۔"

"یہ گنج بے بہا تو نے کیونکر پایا؟"

"ایک دو مرتبہ سول سروس کے مقابلے میں شرکت کی تھی۔"

"اخاہ! پھر تو تو Uranium میں تولنے کے لائق ہے۔ پہلے اپنی ہیئت کذائی ٹھیک کر۔ حجامت کرا' عینک بدل' ہر ہفتے غسل کیا کر اور ہر روز شیو۔ کپڑوں کو دھلوا کر استری کروایا کر۔"

"کہیں مجھے انٹلکچوئل اپنی برادری سے نہ نکال دیں۔"

"تو کیا ہوا؟ خیال ہے کہ چند شرفاء ذی مرتبہ کو خوش کرنے کے لیے ایک بلند پائے کا معیاری رسالہ جاری کروں۔ ویسے کام دوسرے لوگ کریں گے لیکن نام ہمارا ہی ہو گا۔ کیا ارادہ ہے؟"

"خاکسار آمادہ ہے؟"

"اب جبکہ تو نے سب کچھ سن لیا ہے بتاؤ تو بھی کبھی ایسی کٹھن منزلوں سے گزرا؟ کبھی ایسی مصیبتیں تجھ پر بھی پڑیں؟"

خورد نے کلاں کا ہاتھ چوما اور آنکھوں میں آنسو لا کر بولا۔ "آپ واقعی بڑے بڑے مصائب سے دو چار ہوئے۔ صید انتشار ہوئے۔ اب آپ خط اٹھائیں' دل کھول کر کھائیں اور کھلائیں۔ خدا کرے تم عمر شادور ہو' فائز بمرام و بامراد ہو۔"

اس پر جہاز سندھی کلاں نے خورد کے سر پر دست شفقت پھیرا۔ اس کا رتبہ اور بھی بڑھایا۔ جب تک وہ زندہ رہے دو جان اور دو قالب ہو کر رہے۔

خالق زمین و زمان' آفریندۂ ہر دو جہاں' کار ساز مطلق' قادر برحق کا ہر حال میں شکر ادا کرنا چاہیے کہ بندوں کو کیسی کیسی مصیبتوں سے بچاتا ہے۔ گاڑھے وقت میں اسی کا فضل آڑے آتا ہے۔

نتیجہ ...... بس اے پیارے بچو! نتیجہ اس کہانی سے یہ نکلا کہ یہ ضروری نہیں کہ ہر کہانی سے نتیجہ نکلے۔

○○○

• دو نظمیں

○ (ا) کون

کون ہے میری جواں سال امنگوں کا سہارا مرے ہمدم میرے دوست!
تجھ کو معلوم اگر ہے تو بتا
کس کے شب رنگ معطر گیسو

میرے بازو پہ بکھر جاتے ہیں!
کس کے خوابیدہ شبستانوں میں؟
کیف آمیز اندھیرے لے کر
نیند کی دیوی، تکلف کے بغیر
میری پلکوں، میری آنکھوں میں دبے پاؤں چلی آتی ہے؟
موزے جب گردش رفتار سے گھس جاتے ہیں
سوزنِ سادہ سے کون ان کو رفو کرتا ہے؟
میری بکھری ہوئی بوسیدہ کتابیں آخر
کون چن دیتا ہے الماری میں؟
سلوٹیں دیکھ کے ملبوس پہ خم کھائی ہوئی
استری کون کیا کرتا ہے؟
آنکھ کس کی مرے بٹوے پہ جمی رہتی ہے
کون ہر ماہ چکا دیتا ہے دھوبی کا حساب؟
جب کبھی زندگی درماندہ و واماندہ نظر آتی ہے
اور بن جاتی ہے اک خوں بھرا جام

تلخیاں روح میں رچ جاتی ہیں
تہ بہ تہ ظلمتیں جم جاتی ہیں
زیست اور موت میں رہتا نہیں ننھا تفاوت باقی
ایسے لمحوں میں سدا
کون دیرینہ رفیق آ کے پکڑتا ہے مجھے بازو سے؟

اور لاتا ہے سوئے بزم، جہاں میرا لہو کھول کے تپ جاتا ہے
تو بتا سکتا ہے کیا؟
ہاں ذرا میں بھی سنوں
کیا کہا؟
تیرے گستاخ تبسم پہ ہنسی آتی ہے
تیرا وجدان ابھی تک ہے بہت خام اے دوست!
کیا بتاؤں میں تجھے
وہ کوئی اور نہیں
وہ تو میں خود ہوں۔ میری جاں، مرے ہمدرد، میرے دوست!

○ (۲) خراٹے

اس نے خراٹے سنے۔
دفعتہً چونک پڑا، جاگ اٹھا،
لب نازک پہ مچلتے تھے "رسیلے نغمے"
اور بیوی تھی کہ خوابیدہ تھی
فربہی تھی کہ جوانی کا سہارا لے کر
تہہ بہ تہہ جسم پہ اس طرح جمی جاتی تھی
جس طرح کیک کرسمس کا ہو۔

اس نے خراٹے سنے
مٹھیاں بھینچ کے یوں کہنے لگا
آج نیند آئی تھی دو روز کے بعد
کہ حسیں ہونٹوں کے "نغموں" نے سکوں چھین لیا

اور اب زندگی بھر دل کو نہ آئے گا قرار
کہ یہ "نغمے" کسی اندوہ مسلسل کا پتہ دیتے ہیں
ایسے جینے پہ خدا کی پھٹکار
اس نے خراٹے سنے
(اپنی بیوی کی لگاتار علالت کا خیال
یہ عیادت کا مسلسل بحران
کہ کسی پل بھی سکوں مل نہ سکا
اور پھر اس پہ ستم ویدوں کا نزول
حسن بیمار مگر ویسا ہی بیمار رہا
جیسے صدیوں کا سماج
اس نے خراٹے سنے
اٹھا آئینے میں صورت دیکھی
آنکھ کے گرد سیاہ حلقوں کو رقصاں پایا
سبزہ خط تھا ہم آغوش ذقن
اپنی صورت سے ڈرا
اور کیا جانئے کیا سر میں سمائی وحشت
دل میں ایک عزم جواں جاگ اٹھا
اس نے خراٹے سنے
اور کچھ سوچ کے الماری کی جانب لپکا
استرا کانپتے ہاتھوں میں لیا، کھولا پکڑا اور دیکھا

دھار تھی تیز کسی تیغ مجاہد کی طرح
دیکھ کر بیوی کے مرمر سے گلو کی جانب
اس نے آئینے میں خود پر بھی نظر دوڑائی
اور سوچا کہ یہی موقع ہے

اس نے خراٹے سنے
کمرے سے جھانک کر باہر دیکھا
ایک ہمہ گیر خاموشی تھی فضا پر طاری
دور اک کتا پڑا سوتا تھا
اس نے سوچا کہ یہی موقعہ ہے
استرا زور سے پکڑا' کانپا
اور پھر شیو بنانے لگا جلدی جلدی